انوارِ قرآن و حدیث

فکرِ آخرت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

انجینئر حافظ محمد آصف قادری

افکارِ اسلامی

کتاب .... فکرِ آخرت، قرآن وحدیث کی روشنی میں

ازافادات........................ پیرطریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری جیلانی
دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ

مؤلف .... انجینئر حافظ محمد آصف قادری

پروف ریڈنگ........................ انجینئر حافظ محمد عارف قادری

معاونین .... شاہد علی قادری، محمد عاطف عظیم قادری

تاریخ اشاعت........................ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ /فروری ۲۰۱۴ء

ناشر .... افکارِ اسلامی (اسلام آباد، کراچی)

پرنٹرز ....

ہدیہ ....

﴿ملنے کے پتے﴾

☆............مدرسہ انوارُ القرآن، مسجد کنز الایمان، آئی ٹن ون، اسلام آباد

☆............مکتبہ انوارُ القرآن، میمن مسجد، مصلح الدین گارڈن، کراچی

☆............علامہ فضل حق پبلی کیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

☆............جامعہ قادریہ رضویہ، مصطفیٰ آباد، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

☆............حنفیہ پاک پبلی کیشنز، نزد بسم اللہ مسجد، کھارادر، کراچی

☆............احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، راولپنڈی

﴿مصنف کی تمام کتب سے حاصل ہونے والی آمدنی تبلیغِ دین کے لیے وقف ہے﴾

انتساب

''بیٹیوں کے نام''

☆☆☆

نبی کریم ﷺ نے فرمایا،''جسے بیٹیاں عطا ہوں اور وہ اُن سے اچھا سلوک کرے، تو وہ بیٹیاں اُس کے لیے جہنم سے آڑ ہو جائیں گی''۔(بخاری، مسلم)

''جو دو بیٹیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے اس قدر قریب ہو گا جیسے یہ دو انگلیاں''۔(مسلم)

''جس کی بیٹی ہو اور وہ اُسے زندہ درگور نہ کرے، نہ اُسے حقیر سمجھے اور نہ اُس پر اپنے بیٹے کو ترجیح دے، تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا''۔(ابو داؤد)

☆☆☆

بیٹیاں...... سر تاپا محبت والفت، دل کا سُرور، آنکھوں کا نور
بیٹیاں...... شرم وحیا کا پیکر، ایمانی صورت، پاکیزہ سیرت

☆☆☆

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، والدین کی دعا اولاد کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ﴾

''اے میرے رب! مجھے یہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی، اور میں وہ نیک کام کروں جو تجھے پسند آئیں، اور میرے لیے میری اولاد کو بھی نیکی پر قائم فرما''۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

دردلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است　　　آبروئے ما زِ نامِ مصطفیٰ ﷺ است

فہرست

تقریظِ جلیل

مفکرِ اسلام، ولیٔ کامل، پیرطریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ
امیر جماعت اہلسنت پاکستان کراچی، خلیفۂ اعظم حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاo وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰیo ﴾ (الاعلیٰ:۱۶،۱۷)

''بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی''۔

یہ دنیا مختصر ہے اور ہمیشہ رہنے والا گھر آخرت ہے۔ وہ لوگ بہت کامیاب ہیں جنہوں نے دنیا میں رہ کر آخرت کو سنوار لیا۔ یاد رہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی دنیا یا دنیا دار کی مذمت کی گئی ہے، وہاں دنیا سے مراد اللہ کی یاد سے غافل کر دینے والی چیز ہے اور دنیا دار سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کو فراموش کر کے حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دنیا کمانے میں لگ جائے۔

دنیا کی زندگی کا دورانیہ کتنا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے۔ پھر جب نمازِ جنازہ ہوتی ہے تو اس میں اذان و اقامت نہیں ہوتی۔ اس میں ہمارے لیے یہ پیغام ہے کہ دنیا میں تمہارا رہنا اس طرح ہے کہ اذان ہوئی، اقامت ہوئی، اور بس اب کچھ ہی دیر میں جماعت کھڑی ہو جائے گی۔

دنیا دار انسان بنیادی طور پر حریص ہوتا ہے۔ اگر اس کی کسی چیز کی دکان ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی دکان کے سامنے اسی چیز کی دکان کھول لے تو اس کے دل میں فوراً حسد پیدا ہوگا۔ اس کی بھرپور کوشش ہوگی کہ کسی طرح اس کی دکان ختم کروادی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرے حصے کا رزق لے جائے۔

ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرتا ہوں جو ایک حج کے موقع پر حیدرآباد دکن کے

ایک بزرگ مرزا عبدالشکور صاحب نے مجھے سنایا تھا۔ یہ ہر سال حج کو آتے اور مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں اکثر وقت گزارتے۔ قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ ۸۰-۸۵ سال مدینہ منورہ رہے پھر وہیں دفن ہوئے۔

مرزا صاحب نے قطبِ مدینہ سے عرض کی، حضور! جب مدینے میں غربت تھی، اُس وقت کا کوئی واقعہ سنائیں۔ وہ فرمانے لگے، حیدرآباد دکن کے ایک نواب صاحب نے ایک منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو مدینہ منورہ جا کر چالیس جوڑے تقسیم کروں گا۔ وہ کام ہو گیا تو وہ آپ کے پاس مدینہ آئے اور عرض کی، میری منت پوری ہو گئی، آپ مشورہ دیں۔ آپ نے فرمایا، فلاں دکاندار غریب ہے، اسکی آمدن کم ہے۔ تم اس سے کپڑا خرید لو، اس کا بھلا ہو جائے گا۔

نواب صاحب اس دکاندار کے پاس چلے گئے۔ وہ کوئی نیک آدمی تھا۔ اس نے کہا، جناب! میں نے آج اتنا کما لیا ہے کہ میری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ آپ ایسا کریں کہ سامنے والے دکاندار کے پاس چلے جائیں اور اس سے کپڑا خرید لیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آج اس کی بونی بھی نہیں ہوئی۔

یہ مضبوط ایمان والوں کا جذبہ تھا۔ کیا آج کے تاجروں اور دکانداروں میں ایسا جذبہ ہے؟ نہیں۔ ہم پر تو ایسی دنیا غالب ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ ملے صرف ہمیں ملے، کسی اور کو نہ ملے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وہ سب کو رزق دیتا ہے۔

دنیا میں کتنے بازار اور کتنی دکانیں کھلی ہوئی ہیں اور سب اپنی قسمت کا کھاتے ہیں۔ بس دین سے دوری کی وجہ سے انسان کی مال کمانے کی حرص بڑھتی ہے، اس کی خواہشات بھی بڑھتی جاتی ہیں اور پھر وہ خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ میں نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا بلکہ سب کچھ چھوڑ کر اچانک چلے جانا ہے۔

ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ اُسے کوئی شخص پیسے دے رہا ہے۔ پانچ ہزار،

دس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ، یہ مانگ رہا ہے اور وہ دے رہا ہے۔ لیکن ایک دَم آنکھ کھل گئی تو معلوم ہوا کہ وہ تو خواب تھا، وہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ اس دنیا کی حقیقت بھی ایسی ہی ہے۔ ناپائیدار اور فانی، نرا دھوکا۔

آج ہر شخص اپنے اعمال کا جائزہ لے کہ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، اس میں اُس نے آخرت کے لیے کیا کیا ہے۔ کسی بیوہ کی مدد کی؟ کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھا؟ مسجد کے لیے کچھ کیا؟ مدرسہ میں کوئی تعاون کیا؟ اگر آج آپ کی آنکھ بند ہو جائے تو سوچیے پھر کیا ہو گا؟

جب موت کا فرشتہ آئے گا تو کیا اس سے یہ کہو گے کہ مجھے پانچ منٹ دیدو۔ میں نے جو مال جمع کیا ہے اس میں سے کچھ مسجد کو دیدوں، کچھ مدرسے کو دیدوں، یتیموں اور بیواؤں کو بھی دیدوں۔ لیکن ہر کوئی جانتا ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔

﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ (المنافقون:۱۱)

''اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہیں دے گا جب اس کا وعدہ (موت) آ جائے''۔

آج اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کیجیے اور آخرت کے لیے جمع کر لیجیے۔ ارشادِ ربانی ہے، ''اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے، پھر کہنے لگے، اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا''۔ (المنافقون:۱۰)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، ''آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی جاتی ہیں، ایک مال کی حرص اور دوسرا طویل زندگی کی امید''۔ (بخاری)

آپ دیکھیے کہ کسی کی عمر ساٹھ سال ہے اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ ابھی تو آپ جوان ہیں۔ کسی کی عمر ستر سال ہے اور لوگ اسے کہتے ہیں، ابھی تو آپ صحت مند ہیں، ابھی تو زندگی پڑی ہے۔ یہ سب شیطان کے دھوکے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنی

حقیقت کو بھول جاتا ہے اور لمبی عمر کی امید میں توبہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بیس سال کا نوجوان مر جاتا ہے، دو سال کا بچہ مر جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ موت سے کسی حال میں بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے، پل کی خبر نہیں

آج معاشرے میں قتل وغارت، چوری، ڈکیتی، تاوان، دھوکا فراڈ کی صورت میں جو فساد ہم دیکھ رہے ہیں اس کا سبب صرف یہ ہے کہ لوگوں نے آخرت کو فراموش کر دیا ہے اور سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ لیا ہے۔ اگر انسان کا آخرت پر ایمان پختہ ہو جائے اور وہ یہ یقین کر لے کہ ایک دن مجھے اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے، تو یقیناً اس کے اعمال سنورنے میں دیر نہیں لگے گی۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ سے عقیدۂ آخرت سے متعلق مواد جمع کر کے اسے عام فہم انداز میں عوام کی اصلاح کے لیے پیش کیا جائے۔ الحمدللہ! اس حوالے سے عزیزم انجینئر حافظ محمد آصف قادری زید مجدہٗ نے قلم اٹھایا اور عمدہ کاوش کی۔ ان کی نئی تالیف ''فکرِ آخرت، قرآن وحدیث کی روشنی میں'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اپنی علالت کی وجہ سے فقیر اسے بالاستیعاب تو نہ پڑھ سکا البتہ بعض مقامات سے دیکھا تو بہت خوب پایا۔

مصنف نے عقلی دلائل اور شرعی براہین کے ساتھ آخرت کی فکر کو احسن طریقے سے اُجاگر کیا ہے۔ رب کریم اس کتاب کو نافع ومقبول اور صدقۂ جاریہ بنائے اور مصنف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ

سید شاہ تراب الحق قادری
آستانہ عالیہ قادریہ رضویہ، کراچی

تقریظِ جلیل

جامع المعقول والمنقول اُستاذ العلماء حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی حفظہ اللہ

مرکزی امیر فدایانِ ختمِ نبوت، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آله واصحابه اجمعین.

اللہ رب العزت کا بے حساب شکر واحسان کہ اس نے ہمیں حضور پُرنور شافعِ یوم النشور سید عالم ﷺ کی صورتِ مبارکہ میں ایسے جلیل القدر ورَفیع الشان رسول عطا فرمائے جو خلقت میں سب سے اول اور بعثت وظہور میں سب سے آخر ہیں، جن کے بعد قیامت کی صبح تک کوئی نیا نبی ورسول نہیں، جن کی لائی ہوئی کتاب ''قرآن حکیم'' کے بعد کوئی نئی آسمانی کتاب نہیں، جن کے لائے ہوئے دین ''اسلام'' کے بعد کوئی نیا دین نہیں اور جن کی امت محمدیہ کے بعد تا صبح قیامت کوئی نئی امت نہیں۔

پس رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اب ہدایت وروشنی کا حصول صرف نبی کریم ﷺ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

ارشادِ ربانی ہے، ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُم لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ العنکبوت: 64)

ترجمہ: ''اور یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں ہے اور بیشک آخرت کا گھر! ضرور وہی سچی زندگی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا! اگر تم یہ جانتے''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چند روزہ دنیاوی زندگی کو کھیل کود سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ خبر دی ہے کہ جس طرح انسان اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو اکثر کھیل کود اور لایعنی کاموں میں بسر کر کے ضائع کر دیتا ہے اور اسے اپنے ضائع کیے گئے لمحات کی فکر ہی نہیں ہوتی اسی طرح وہ اپنی عمر کو ضائع کر بیٹھتا ہے اور اُسے اس کی

فکرنہیں ہوتی۔ درحقیقت آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔کاش!تم اس کی قدر و قیمت جانتے۔اس فرمانِ عالیشان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تگ ودَو کا محور ومرکز آخرت کو ہونا چاہئے تاکہ وہ اُس نہ ختم ہونے والی زندگی کے لیے کچھ کر سکے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیاوی زندگی کو کھیل کود اور اخروی زندگی کو ''سچی زندگی'' کہا گیا ہے تو پھر عمل کرنے کا جہاں دنیا ہے یا آخرت؟ آسان اور سادہ جواب تو یہی ہے کہ اعمال کا جہاں یہی دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

یوں سمجھ لیجیے کہ یہ دنیا ایک کھیت کی طرح ہے جس میں ہم اپنے اچھے یا بُرے اعمال کا بیج بوتے ہیں۔اس بیج کا حقیقی پھل یا ثمرہ ہمیں آخرت میں ملے گا۔اگر اس دنیا میں اعمال اچھے ہوں گے تو بدلہ یا پھل اچھا ملے گا اور اگر اعمال بُرے ہوں گے تو بدلہ یا پھل بُرا ملے گا۔مختصراً دنیا کھیتی ہے جو یہاں (دنیا میں) بوئے گا وہاں (آخرت میں) وہی کاٹے گا۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا، ﴿**اعمل لدنیاک بقدر بقائک فیھا واعمل لاخرتک بقدر بقائک فیھا**﴾ یعنی ''دنیا کے لیے اتنا کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے''۔

اب دنیا میں کسی شخص نے کتنا رہنا ہے، اس حوالے سے کوئی نہیں جانتا لیکن آخرت میں کتنا رہنا ہے، اُس کا دائمی ہونا ہر شخص جانتا ہے۔لہٰذا ہم اپنی نادانی کے سبب اپنی زندگی کے لیے تو سب کچھ کر بیٹھتے ہیں جس کی مدتِ قیام ہمیں معلوم ہی نہیں جبکہ آخرت کے لیے فکرمند نہیں رہتے جو دائمی زندگی ہے۔

آج موت سے لاپرواہی کا یہ عالم ہے کہ ہم اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے مٹی کے حوالے تو کرتے ہیں لیکن خود پر آنے والے اس وقت سے غافل ہیں۔اب تو ستم ظریفی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو کندھا دیتے وقت لوگ ہنس

رہے ہوتے ہیں اور فوتگی کے ساتھ والے گھر میں ناچ گانے چل رہے ہوتے ہیں۔

یہ سب لاپرواہیاں اور بے خوفیاں فکرِ آخرت سے غفلت کے سبب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری زندگی میں حلال وحرام اور جائز وناجائز میں فرق کرنے اور اُن سے بچنے کی سوچ کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔ ہم مادہ پرستی میں اس حد تک آگے نکل چکے ہیں کہ ہمیں اسلام کی حدود پامال کرتے ہوئے کوئی خوفِ خدا نہیں ہوتا۔

جس چند روزہ زندگی یا چند روزہ مزے کے لیے ہم اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر اپنی آخرت کا سودا کرڈالتے ہیں اس کے متعلق ہمارے آقا و مولا ﷺ نے فرمایا ہے، ﴿**واللہ ما الدنیا فی الآخرۃ الامثل ما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ فی الیمّ فلینظر بم یرجع**﴾

ترجمہ: قسم بخدا! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں صرف ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اس ایک انگلی (انگشتِ شہادت) کو سمندر میں ڈال کر نکالے اور پھر دیکھے کہ اس میں کتنا پانی لگ کر آیا ہے۔ (مسلم، ترمذی)

اس فرمانِ عالیشان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا بالکل حقیر ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں جب ہم حیات بعد ممات یا ایسی زندگی جو نہ ختم ہونے والی ہے، کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو مجموعۂ احادیث میں جا بجا اس دنیا کے فانی ہونے اور اس کے بعد ایک بقاء والی زندگی کا علم ہوتا ہے۔

اسی لیے سید عالم ﷺ نے وقتاً فوقتاً اس دنیا سے بے رغبتی اپنانے اور آخرت کے لیے سرمایۂ حیات تیار کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یاد رہے کہ اس سب کے باوجود اسلام نے نہ تو ترکِ دنیا کا حکم دیا ہے اور نہ ہی رہبانیت اختیار کرنے کا کوئی تصور دامنِ اسلام میں موجود ہے۔ اسلام دنیاوی ضروریات کو جائز طریقے سے پورا کرنا نہ صرف ضروری بلکہ واجب قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ:

7

یہ عبرت کی جا ہے، تماشہ نہیں ہے　　جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

مسلم شریف کے حوالہ سے درج بالا بیان کی گئی حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے آخرت کی زندگی کو ایک سمندر کے ساتھ اور دنیاوی زندگی کو اس سمندر میں انگلی کے ساتھ لگنے والی پانی کی چند بوندوں کے ساتھ تشبیہ دے کر ہمیں باخبر کیا ہے کہ اس دنیا میں جتنا مرضی رہ لیں، جتنا مرضی زادِ راہ اختیار کر لیں وہ آخرت کے مقابلے میں ایک تنکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

اب سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم کس طرح اپنی اخروی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں؟؟ عزیزی و مخلصی محترم جناب انجینئر حافظ محمد آصف قادری حفظہ اللہ کی تقریباً 200 صفحات پر مشتمل لاجواب تصنیف ''فکرِ آخرت'' قرآن وحدیث کی روشنی میں ائمہ امت کی بیان کردہ تشریحات کے ذریعے انہی امور کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے فلاحِ دارین کی سمت کا تعین کرتی ہے۔

فاضل مصنف اس سے قبل بھی کئی کتب لکھ چکے ہیں جن میں ''ایمان اور حیا'' نامی بے مثال و پُر اثر کتاب اہلِ علم سے خراج حاصل کر چکی ہے۔ محترم مصنف کا خاصہ ہے کہ آپ کی تحریر عام فہم اور سلیس ہوتی ہے جس کا ثبوت پیش نظر کتاب بھی ہے۔

اس کتاب میں محترم انجینئر حافظ محمد آصف قادری نے اپنے شیخِ طریقت، سرمایۂ اہلسنت، مبلغ اسلام علامہ پیر سید شاہ تراب الحق قادری مدّ ظلہ العالی کے ارشادات نقل کیے ہیں جس سے کتاب کے ظاہری و معنوی حسن میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے طفیل برادرِ عزیز محترم انجینئر حافظ محمد آصف قادری زید علمہٗ کے علم و عمل میں مزید اضافہ فرمائے اور اس کتاب سے اہلِ اسلام کو بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ

حافظ خادم حسین رضوی

پیش لفظ

انجینئر حافظ قاری محمد عارف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ہم اس زندگی میں اپنے عمل سے جو بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔ اگر ہم نے اس مختصر زندگی میں اپنے انمول وقت کی قدر کرتے ہوئے اسے نیکی کے کاموں میں لگایا تو قیامت میں اس کا پھل کامیابی اور جنت کی صورت میں ملے گا اور کہا جائے گا،

''خوب لطف اندوزی سے کھاؤ اور پیو، اُن اعمال کے بدلے جو تم گذشتہ ایام میں آگے بھیج چکے تھے''۔ (الحاقۃ)

اسکے برعکس اگر ہم اس زندگی میں وقت کی قدر نہیں کریں گے اور اسے غفلت اور سستی کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں گزاریں گے تو روزِ محشر مایوسی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہوگا، ''کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ سوچ سکتا تھا، اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا بھی آ چکا تھا، پس اب عذاب کا مزہ چکھو''۔ (فاطر)

وقت کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف اوقات کی قسمیں ارشاد فرمائیں ہیں۔ مثلاً **والضحیٰ، والیل، والفجر، والعصر** وغیرہ۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے، ''دو نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ نقصان میں رہتے ہیں، صحت اور فراغت''۔ (بخاری) یعنی اکثر لوگ صحت اور وقت جیسی عظیم نعمتوں کی ناقدری کی وجہ سے نقصان میں رہیں گے۔ روزِ قیامت، انسان وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا، ''عمر کیسے گزاری اور جوانی کن کاموں میں خرچ کی''۔ (ترمذی)

فرمانِ الٰہی ہے، ''ہم تو ان کی (سانسوں کی) گنتی پوری کرتے ہیں''۔ (مریم)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جلدی کرو جلدی کرو، تمہاری زندگی کیا ہے، یہی سانس ہی تو ہے۔ اگر یہ رک جائے تو تمہارے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے جس سے تم اللہ کا قرب حاصل کرتے ہو۔ اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے اپنا جائزہ لیا اور اپنے گناہ پر آنسو بہائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے صوفیاء سے دو باتوں کا علم سیکھا۔ ایک یہ کہ ''وقت ایک تلوار ہے، اگر تم نے اس کو پہلے کاٹ لیا تو کاٹ لیا ورنہ وہ تمہیں کاٹ کر رکھ دے گی''۔ یعنی وقت ایک تلوار کی مانند ہے تم اس کے حملے سے اسوقت بچ سکتے ہو جب کہ تم اسے پہلے مصروف کرلو۔ دوسری بات یہ کہ ''اگر تم اپنے نفس کو حق کے ساتھ مشغول نہیں کرو گے تو وہ تمہیں باطل میں مصروف کر دے گا''۔

وقت کی قدر شناسی کا فلسفہ یہی ہے کہ نفس کو پہلے ہی حق میں مصروف کر دیا جائے تا کہ وہ لمحہ ہی نہ آئے کہ نفس بندے کو باطل میں مصروف کر سکے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں فکرِ آخرت کے موضوع پر نہایت عمدہ، پُر اثر اور مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث کریمہ سے واضح کیا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور زندگی برف کی مانند پگھل رہی ہے، اس کی قدر کرو۔

قرونِ اُولیٰ کے مسلمان اپنے وقت کے قدردان تھے اسی لیے وقت کا صحیح استعمال کر کے انہوں نے علم و عمل کا عروج پایا۔ آج کا مسلمان وقت ضائع کر رہا ہے اور جوانی برباد۔ نتیجہ یہ کہ دنیا و آخرت دونوں میں ناکام۔ کاش کہ ہم دنیا کے لیے اتنی محنت کریں جتنا یہاں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنی محنت جتنا وہاں رہنا ہے، نیز آخرت کی اس طرح تیاری کریں جیسے کل مرنا ہے۔ باری تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قارئین کے قلوب و اذہان کو نورِ ایمان سے منور فرمائے، آمین۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لَکَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾

''جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی زندگی، اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں''۔ (الروم:۷، کنز الایمان)

اس آیت میں اُن دنیاداروں کا ذکر ہے جو دنیاوی زندگی کا صرف ظاہری پہلو جانتے ہیں، اس کی حقیقت نہیں، جبکہ آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ انسان یہ سوچے کہ وہ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی موت اس کی مرضی سے آتی ہے تو پھر وہ پیدائش اور موت کا درمیانی عرصہ اپنی مرضی سے کیوں گزارنا چاہتا ہے؟

دنیا نصیب سے ملتی ہے اور آخرت محنت سے۔ تعجب ہے کہ لوگ محنت دنیا کے لیے کرتے ہیں اور آخرت کو نصیب پر چھوڑ دیتے ہیں۔

ہم پر اِس دنیاوی زندگی کے لیے مال جمع کرنے کی فکر طاری ہے جہاں ہم نے چند دن رہنا ہے، اِس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنی آخرت کے لیے اچھے اعمال جمع کرنے کی فکر کریں جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے۔ آج کا دن آپ کی زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں آئے گا، اسے اپنی آخرت کے لیے استعمال کر لیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان بنایا ہے کیونکہ وہ ہمیں جنت دینا چاہتا ہے۔ اب یہ ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم واقعی اس کے اہل ہیں۔ ہم چہرہ تو صاف رکھتے ہیں جس پر لوگوں کی نظر ہوتی ہے مگر دل کو صاف نہیں رکھتے جس پر اللہ کی نظر ہوتی ہے۔

اگر مرد دیندار ہو جائے تو دین گھر کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے اور اگر عورت دیندار ہو جائے تو دین اگلی نسل تک پہنچ جاتا ہے۔ ''توحید اور شرک'' کی تصنیف کے بعد خیال

آیا کہ بچیوں کے لیے منتخب احادیثِ مبارکہ آسان انداز میں مختصر تشریح کے ساتھ لکھ دی جائیں۔ برادرِ مکرم حافظ محمد عارف قادری زید مجدہٗ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فکرِ آخرت کے حوالے سے کتاب لکھنے کا مشورہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت اور مرشدِ کامل حضرت علامہ پیر سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی کے فیضِ نگاہ سے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔

کتاب کے پہلے باب میں مقصدِ تخلیق کے حوالے سے آخرت کی فکر کو اجاگر کیا ہے۔ دوسرے باب میں قرآن کریم کے چالیس مقامات جبکہ تیسرے باب میں دو سو سے زائد احادیث مبارکہ منتخب کر کے ان پر آسان تبصرہ تحریر کیا ہے۔ اکثر احادیث مشکوٰۃ شریف سے یا صحاح ستہ سے لی گئی ہیں۔

میں ممنون ہوں امیر اہلسنت، پیرِ طریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ اور امیر فدایانِ ختم نبوت علامہ حافظ خادم حسین رضوی حفظہ اللہ کا جنہوں نے قیمتی وقت نکال کر اس کتاب پر تقاریظ تحریر فرمائیں۔

میں اپنے والدِ محترم مدّ ظلہ العالی، اپنے بھائیوں نیز اپنی اہلیہ اور بیٹیوں کے لیے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے اس کام میں مجھے آسانی مہیا کی۔ رب تعالیٰ ان سب کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور راحتیں عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کے صدقے میں اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ میری تقاریر و کتب اور میری اولاد کو میرے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ نیز مجھے، میرے والدین، اہل و عیال اور میرے معاونین کو فلاحِ دارین عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں   ہست حُبِّ رحمۃٌ اللعالمیں ﷺ

محمد آصف قادری عفرلہٗ

﴾دعوتِ فکر وعمل﴿

☆ قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کیجیے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' پڑھیے۔

☆ اپنے ایمان کی حفاظت کیجیے۔ اس کے لیے علمائے حق اہلسنت کی کتب کا مطالعہ فرمایئے اور کسی صحیح العقیدہ عالمِ دین سے عقائد اور دینی مسائل سیکھیے۔

☆ فرائض وواجبات کی ادائیگی کو ہر کام پر فوقیت دیجیے اور سنتوں پر عمل کی کوشش کیجیے۔ نیز تمام حرام اُمور سے اور عقیدہ کی بدعات سے اجتناب کیجیے۔

☆ نماز دین کا ستون ہے، اس کی حفاظت کیجیے۔ روزانہ پابندی سے پانچ وقت نماز ادا کیجیے کہ کوئی مجاہدہ اور کوئی وظیفہ نماز کی پابندی کے برابر نہیں ہے۔

☆ آپ کی اصل کمائی آپ کی اولاد ہے۔ اپنی اولاد کو بے دین اور بدمذہب ہونے سے بچایئے۔ اسے نبی کریم ﷺ کی محبت اور ایصالِ ثواب کی تعلیم دیجیے۔

☆ عرس مبارک، میلاد شریف، گیارھویں شریف اور ایصالِ ثواب کی محافل میں کھانے یا مٹھائی کے علاوہ علمائے اہلسنت کی کتب بھی تقسیم کیجیے۔

☆ اپنے لیے اور اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے دینی کتب چھپوا کر تقسیم کیجیے کہ یہ بہترین صدقۂ جاریہ ہے، نافع علم بھی اور تبلیغِ دین بھی۔

☆☆ شعبہ دعوت وتبلیغ ☆☆

جامعہ انوار القرآن، جامع مسجد کنز الایمان،
آئی ٹن ون، اسلام آباد

باب اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لَکَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَحْمَۃً الِّلْعٰلَمِیْن

ہمارا مقصدِ تخلیق:

کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟اور ہماری زندگی کا نصب العین کیا ہے؟ مزید یہ کہ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہم اپنی زندگی اپنے نصب العین کے مطابق گزار رہے ہیں یا نہیں؟

ان سوالوں کے جوابات پر آپ جس سے بھی گفتگو کریں گے، اس کی عقل کے مطابق مختلف جوابات پائیں گے۔ آپ اپنے گھر، اپنے محلے بلکہ تمام معاشرے کا جائزہ لیں کہ تمام لوگوں کی زندگیوں کا نصب العین کیا ہے؟

وہ روزانہ صبح گھر سے کس مقصد کے لیے نکلتے ہیں، صبح سے شام تک کس مقصد کے حصول کے لیے کوششیں کرتے ہیں، ان کی باہم ملاقاتوں کا سبب کیا ہوتا ہے، وہ آپس میں کن موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں، ان کا مال، ان کا وقت اور ان کی بہترین صلاحیتیں کن کاموں میں خرچ ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کا بغور جائزہ لینے پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہر انسان کامیاب زندگی گزارنے کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا ہے اور صبح سے شام تک اسی کامیابی کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔

اعلیٰ دنیاوی تعلیم، بہترین روزگار، عمدہ مکان، اعلیٰ عہدہ، نفع بخش کاروبار، بہت سارا مال، اونچے خاندان میں شادی، اور پھر اولاد کی اعلیٰ انگریزی تعلیم وغیرہ، غرض یہ کہ تمام دنیاوی خواہشات کا پورا ہو جانا ہی اکثریت کے نزدیک کامیابی ہے۔

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کے دور میں انسان کے نزدیک دنیاوی خواہشات کا

پورا ہونا ہی زندگی کا نصب العین ہے، اکثریت کو آخرت کی فکر نہیں۔ کیا یہ بات عجیب نہیں کہ ہر شخص مسلمان ہونے کا دعویدار ہے اور موت کے بعد کی زندگی پر ایمان بھی رکھتا ہے پھر بھی اس کی ساری کوششیں اس چند روزہ فانی زندگی کو اچھا بنانے کی خاطر ہیں لیکن اسے آخرت کی کوئی فکر نہیں جہاں اُس نے ہمیشہ رہنا ہے۔

آیئے! اپنے پیدا کرنے والے سے پہلے سوال کا جواب پوچھتے ہیں، وہ فرماتا ہے،

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝﴾

''تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا، اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں''۔

(المؤمنون: ۱۱۶، کنز الایمان)

یعنی تمہاری تخلیق کا یقیناً کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور اس مقصد کا تقاضا ہے کہ تم ہماری طرف آخرت میں لوٹ کر آؤ تاکہ تمہیں سزا یا جزا ملے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس مقصدِ تخلیق کو یوں بیان فرمایا۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''وہ (اللہ ہے) جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہاری آزمائش ہو کہ تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے''۔ (الملک: ۲)

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذٰریٰت: ۵۶)

''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے ہی بنائے کہ میری بندگی کریں''۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔ انسان کو ایک دن مرنا ہے اور پھر اسے اپنے رب کے پاس حساب کتاب کے لیے پیش ہونا ہے۔ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزاو سزا کا مقام ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمارا نصب العین آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہونا چاہیے جبکہ ہم اس کے برخلاف دنیا کی کامیابی کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔

موجودہ پُرفتن دور میں دینی معاملات ترقی کی بجائے زوال کی طرف مائل ہیں۔ انسان کو زندگی میں قدم قدم پر مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔ دنیاوی مشغولیت بڑھتی جارہی ہے اور عبادت کے لیے وقت بہت مختصر ہوتا جارہا ہے۔ مزید یہ کہ انسان کی زندگی کم اور محدود ہے اور موت ہر لمحہ قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے جبکہ انسان کو جس سفر پر لازمی روانہ ہونا ہے، وہ بہت طویل ہے۔

سفرِ آخرت کا راستہ بہت دشوار ہے اور اس میں نہایت تنگ و تاریک گھاٹیاں اور خطرناک رکاوٹیں عبور کرنی پڑتی ہیں۔ مزید اہم بات یہ کہ اس سفر کا وقت مقرر ہے مگر کسی آدمی کو معلوم نہیں۔ اس سفر پر اچانک جانا پڑتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سفر خیریت سے مکمل ہو جائے اور انسان منزلِ مقصود ''جنت'' تک بحفاظت پہنچ جائے۔ اس کے لیے سفر میں زادِ راہ کا ہونا ضروری ہے اور اس خطرناک سفر کا سامان صرف تقویٰ ہے۔ پس اس سفر میں کامیاب وہی ہوتا ہے جو ہر لمحہ تقویٰ کا سامان تیار رکھے کہ نہ جانے کس لمحہ سفر پر جانا پڑ جائے۔

آدمی ضرور نقصان میں ہے:

استاذی و مرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ فرماتے ہیں،

''دنیا ہر انسان کے لیے امتحان گاہ ہے اور زندگی وہ مدت ہے جو امتحان کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ انسان کو وہ قوتیں اور صلاحیتیں دی گئی ہیں جن سے وہ علم حاصل کر کے عقل و شعور کی روشنی میں راہِ ہدایت پر گامزن رہ کر اس امتحان میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ ہر لمحہ جو گزر رہا ہے وہ امتحان کی مدت کو کم کرتا جارہا ہے۔ اس امتحان کی خاص بات یہ ہے کہ اس کی مدت ہمیں معلوم نہیں۔ پس کسی بھی وقت موت کا فرشتہ آ کر روح کو قبض کر لے گا اور یہ امتحان ختم ہو جائے گا۔

ذرا تصور کیجیے کہ کچھ طلباء کو امتحان گاہ میں پرچے حل کرنے کے لیے دے دیے

گئے ہیں۔ ان میں سے چند طلباء وہ ہیں جو ہر لمحہ اپنا امتحانی پرچہ حل کرنے میں مصروف ہیں اور بعض وہ ہیں جو وہاں غیر ضروری کاموں میں مشغول ہیں۔ امتحان کے نگران کے اس اعلان کے باوجود کہ امتحان کا وقت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتا ہے، وہ مسلسل کھیل کود اور غفلت میں مبتلا ہیں۔ پھر اچانک امتحان ختم ہوجاتا ہے۔

اہلِ عقل وفہم کے لیے نتیجہ بالکل واضح ہے کہ اس امتحان میں وہی طلباء کامیاب ہوئے جنہوں نے ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کیا اور غفلت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ سورۃ العصر سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ زندگی کے اس امتحان میں ناکامی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایمان لائیں، نیک کام کریں، ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید کریں اور صبر کی وصیت کرتے رہیں۔

اس حقیقت پر زمانہ گواہ ہے کہ جنہوں نے ان اوصاف کو اپنایا، وہ کامیاب ہوئے اور باقی سب ناکام و برباد۔ خاص طور پر آقا و مولیٰ ﷺ کا زمانہ مبارکہ اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی دعوتِ حق کو قبول کیا اور ان چاروں اوصاف کو اپنایا، وہ آسمانِ ہدایت کے درخشاں ستارے قرار پائے اور رب تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت دی۔ اور جنہوں نے آپ کی دعوتِ حق کو جھٹلایا، وہ اپنی عزت وشہرت، مال ودولت اور سرداری ولیڈری کے باوجود اس دنیا میں بھی ذلیل وبرباد ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بربادی وعذاب ہے۔

سورۃ العصر کی تفسیر میں امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے سورۃ العصر کا مفہوم ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو یہ آواز لگا رہا تھا، ''اُس آدمی پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جارہا ہے، اُس آدمی پر رحم کرو جس کا مال پگھلا جارہا ہے''۔ یہ سن کر میں نے کہا، یہ ہے، ﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ کا مفہوم۔ آدمی کی زندگی برف کے پگھلنے کی طرح تیزی سے

کم ہوتی جارہی ہے۔اب جو شخص اپنی زندگی ضائع کر دے اوراس سے آخرت نہ کمائے ،وہ ضرورنقصان میں ہے۔

یہ حقیقت ذہن نشین رکھیے کہ برف بیچنے والے کوکامیابی تو مسلسل کوششوں سے حاصل ہوگی لیکن نا کامی کے لیے اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ برف پگھل جانے سے نقصان خودبخو داس کا مقدر ہو جائے گا۔یہی حال انسانی زندگی کا بھی ہے۔ وہ ہرلمحہ برف کی مانند پگھلتی جارہی ہے۔ ہر گزرنے والا دن زندگی سے ایک دن کم کر دیتا ہے۔مگر انسان کی نادانی دیکھیے کہ یہ زندگی سے ایک سال کم ہونے پر اپنی سالگرہ منا کر خوش ہوتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ موت کے زیادہ قریب ہوتا جاتا ہے۔

پس جس طرح برف بیچنے والے کی کامیابی یہ ہے کہ وہ برف پگھلنے سے پہلے اسے بیچ کر رقم کمالے۔اسی طرح انسان کی کامیابی یہ ہے کہ یہ اپنی عمر کے ختم ہونے سے پہلے اسے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آقا و مولیٰ ﷺ کی غلامی میں استعمال کر کے ان کی رضا حاصل کر لے ورنہ یہ زندگی اسی طرح ختم ہو جائے گی اور انسان نا کام و برباد ہو جائے گا‘‘۔(فلاحِ دارین:۲۶)

غفلت کا بڑا سبب:

اگرلوگوں کے احوال کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آخرت سے غفلت کا بڑا سبب بندوں کا دنیا کی آسائشوں اور رنگینیوں کے حصول میں ہروقت کوشاں رہنا ہے۔رب تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں کولوگوں کی نظروں میں خوش نما اورمرغوب بنا دیا ہے۔ یہ تمام زیب وزینت ہمارے لیے آزمائش کے طور پر ہے تا کہ وہ دیکھے کہ کون سے بندے ان آسائشوں اور بناؤ سنگھار کی چیزوں میں دل لگاتے ہیں اورکون اپنی دائمی زندگی کے لیے نیک اعمال کرتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

”بیشک ہم نے زمین کی زینت بنایا اُن چیزوں کو جو اِس پر ہیں تا کہ انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کس کے کام بہتر ہیں“۔(الکہف:۷)

قرآن مجید میں ایک جگہ انسان کی بعض مرغوب ترین چیزوں کا ذکر یوں فرمایا۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾(الِ عمران:۱۴)

”لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت،(یعنی) عورتیں اور بیٹے، اور اوپر تلے سونے چاندی کے ڈھیر، اور نشان کیے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے“۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں بیوی، اولاد، مال، سواریاں، مویشی اور کھیتی باڑی، ان سب چیزوں کی محبت پیدا فرمائی ہے اور ایسا کرنے میں اُس کی بیشمار حکمتیں ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں باحیا بیوی، نیک اولاد، پاکیزہ مال اور حلال رزق میسر ہو، یقیناً اسلام کا مطلوب ومقصود مثالی معاشرہ ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور رہبانیت کے خلاف ہے۔ آقا کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ”میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے منہ موڑے گا وہ میرے طریقے پر نہیں ہوگا“۔(بخاری)

جانِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے،”مال دار ہونے میں اُس کے لیے کوئی حرج نہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے“۔(مسند احمد، مشکوٰۃ)

حلال مال کی اہمیت کے متعلق حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''گذشتہ زمانے میں مال جمع کرنا ناپسندیدہ تھا لیکن آج مومن کی ڈھال ہے یعنی بہت سے گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اگر ہمارے پاس یہ مال نہ ہوتا تو حکمران ہمیں ذلیل کر ڈالتے یعنی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے۔ جس کے پاس کچھ مال ہو تو اُسے چاہیے کہ اس کی حفاظت کرے اور اسے بڑھائے۔ کیونکہ اس پُرفتن دور میں آدمی اگر محتاج ہو جائے تو عجب نہیں کہ جو پہلی چیز وہ خرچ کرے، وہ اس کا دین ہو لہٰذا حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں''۔ (مشکوٰۃ)

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ جائز اور حلال طریقے سے ان نعمتوں کو حاصل کرنے اور اعتدال کے ساتھ ان سے محبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فساد اُس وقت ہوتا ہے جب بندہ ان چیزوں کی محبت میں ایسا گم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اُس کے حبیب ﷺ اور آخرت سے غافل ہو جائے۔ ایسے غافل لوگ پھر خدا پرست نہیں رہتے بلکہ دنیا پرست ہو جاتے ہیں۔

دنیا پرستی کی مذمت:

رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے، ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

''اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے''۔ (اٰلِ عمران: ۱۸۵، کنزالایمان)

انسان ساری زندگی دنیا کی رنگینیوں اور مال و متاع کی محبت میں آخرت سے غافل رہتا ہے۔ وہ دنیا کی آسائشوں کے حصول ہی کو اپنا مقصدِ حیات سمجھتا رہتا ہے یہاںتک کہ جب اس کا آخری وقت آتا ہے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا تو فانی اور ناپائیدار ہے۔ میں نے ہمیشہ کی زندگی کے لیے تو کچھ جمع نہ کیا۔ افسوس! اس دنیا کے ساتھ دل لگانا اُخروی زندگی کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دنیا اپنے طلب گار کے لیے دھوکے کا سامان ہے مگر آخرت کے طلب گار کے لیے نفع دینے والا سرمایہ ہے کیونکہ اسی کے ذریعے

ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں''۔

اس حدیث پاک کے تحت مفکرِ اسلام پیر طریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ فرماتے ہیں،

''یہ بات قابلِ غور ہے کہ کوا بھی مردار کھاتا ہے لیکن اس حدیث پاک میں دنیا دار کو کوے سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ کتے سے تشبیہ دی گئی کیونکہ دنیا پرستوں میں بھی وہی صفات موجود ہوتی ہیں جو مردار کھانے والے کتوں میں پائی جاتی ہیں۔

آپ دیکھیے کہ کتا مردار اکیلے ہی کھاتا ہے خواہ وہ مردار گائے وغیرہ بڑا جانور ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ جب کوئی دوسرا کتا اس کے ساتھ شریک ہونا چاہے گا تو وہ فوراً اس پر غرانا اور بھونکنا شروع کردے گا۔ یہی حال دنیا دار کا ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی اور اس کی دنیا میں شریک اور حصہ دار بنے۔ جبکہ کوا مردار دیکھ کر کائیں کائیں کر کے اپنی برادری جمع کر لیتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کتا دن رات مردار کھاتا ہے جبکہ کوے کی خصلت یہ ہے کہ وہ دن ہی میں کھاتا ہے رات میں نہیں۔ آپ دیکھ لیجیے، مال و دولت کمانے کی ہوس دنیا دار پر ایسی سوار ہوتی ہے کہ رات دن کماتا ہے۔ نہ دن کو سکون اور نہ رات کو آرام، ہر وقت دنیا جمع کرنے کی فکر اس پر مسلط رہتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ کتا مرے ہوئے کتے کو بھی کھا لیتا ہے یعنی اپنے مردار بھائی کو بھی نہیں چھوڑتا جبکہ کوا مردہ کوا نہیں کھاتا۔ دنیا دار کا حال دیکھ لیں، وہ بھی اپنے بھائی سے حسد کرتا ہے۔ دنیا کمانے کی خاطر وہ مسلمان بھائیوں کو تو عموماً اور بعض اوقات سگے بھائیوں کو بھی دھوکا دینے سے باز نہیں رہتا''۔ (تصوف وطریقت: ۱۷۲)

دنیا پرست کی غفلت کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اس کے ذہن میں یہ وسوسہ ڈال دیتا

ہے کہ اس کے کام بہت اچھے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے،

﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ (الانفال:۴۸)

''اور جب شیطان نے اُن کی نگاہ میں اُن کے کام بھلے کر دکھائے''۔

جب وہ اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے تو پھر وہ توبہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ یہ گمراہی بندے کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo﴾

''تم فرماؤ! کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں۔ اُن کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی (یعنی ساری محنت ضائع ہوگئی)، اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں''۔ (الکھف:۱۰۳،۱۰۴)

دنیا میں اکثر لوگ جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات سے رُوگردانی کے مرض میں مبتلا ہیں، اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کے تقاضوں سے جاہل، اور آخرت کے خطرات سے بے خبر ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کو مقصدِ حیات سمجھ رہے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًاo اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

''کیا تم نے اُسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا (اور وہ خواہشات کا بندہ ہو گیا)، تو کیا تم اُس کا ذمہ لو گے؟ یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت سے لوگ ہدایت کی باتیں کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ''۔ (الفرقان:۴۳،۴۴)

اس کی تفسیر میں مولانا مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''یعنی وہ اپنے شدتِ عناد سے نہ آپ کی بات سنتے ہیں اور نہ دلائل و براہین کو سمجھتے ہیں۔ کفار بہرے اور ناسمجھ بنے ہوئے ہیں، کیونکہ چوپائے بھی اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں، اور جو انہیں کھانے کو دے، اس کے مطیع رہتے ہیں، اور احسان کرنے والے کو پہچانتے ہیں، اور تکلیف دینے والے سے گھبراتے ہیں۔

یہ کفار ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ نہ رب کی اطاعت کرتے ہیں، نہ اس کے احسان کو پہچانتے ہیں، نہ شیطان جیسے دشمن کی ضرر رسانی کو سمجھتے ہیں، نہ ثواب جیسی عظیم نفع والی چیز کے طالب ہیں اور نہ عذاب جیسی سخت مضر اور مہلک چیز سے بچتے ہیں''۔ (تفسیر خزائن العرفان)

دنیا کی فکر میں مبتلا اور آخرت سے غافل لوگوں کے متعلق یہ بھی ارشاد ہوا،

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾

''وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں، اور وہ آنکھیں جن سے (حق) دیکھتے نہیں، اور وہ کان جن سے (نصیحت) سنتے نہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت میں پڑے ہیں''۔ (الاعراف:۱۷۹، کنز الایمان)

یعنی ان کے پاس سمجھنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں ہیں مگر وہ ان قوتوں کو ان کے صحیح کاموں میں استعمال نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ اپنے مقصدِ حیات سے ''غفلت'' بہت بڑا جرم ہے اور ایسے غافل لوگ چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں۔

ناکامی کے اسباب:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''جو شخص بھی آخرت کی کامیابی سے محروم ہوا، وہ اس لیے کہ وہ آخرت کی راہ پر

چلا ہی نہ تھا۔ اور جو نہ چلا وہ اس لیے نہ چلا کہ یا تو وہ اس راہ کو جانتا ہی نہ تھا، یا اس راہ پر چلنے کے قابل ہی نہ تھا۔ اور جو چلنے کے قابل ہی نہ تھا وہ اس لیے قابل نہ تھا کہ نفسانی خواہشات کا غلام تھا اور تمام عمر اُن کی قید سے نکل ہی نہ سکا تھا۔

اور جو اس راہ کو جانتا ہی نہ تھا، وہ اس لیے نہ جانتا تھا کہ وہ تمام عمر سیدھی راہ سے غافل رہا، یا پھر سیدھا راستہ ہی گم کر بیٹھا، یا چلتے چلتے غلط نظریے کے باعث سیدھی راہ سے بھٹک گیا''۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ گمراہی دو طرح کی ہے۔ ایک یہ کہ آدمی کا نظریہ اور عقیدہ غلط ہے، وہ شانِ اُلوہیت اور شانِ رسالت کے تقاضوں کا منکر ہے۔ وہ گمراہ و بد مذہب ہونے کے باوجود پابندی سے اچھے اعمال کرتا ہے۔ اس کی نیکیاں اسے دنیا میں نفع دیں گی مگر چونکہ آخرت میں نجات کے لیے ایمان کا صحیح ہونا شرط ہے اس لیے وہ آخرت میں ناکام ہی قرار پائے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے،

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۹)

''اور جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ''ایمان والا''، تو اُنہیں کی کوشش ٹھکانے لگی''۔ (کنزالایمان)

دوسری قسم کے گمراہ وہ ہیں جو دین سے محض رسمی سا تعلق رکھتے ہیں یعنی نکاح، وفات اور سرکاری کاغذات میں مذہب کے خانے میں اسلام لکھتے وقت وہ مسلمان ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، اس کے سوا وہ پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے۔

افسوس یہ کہ ان گمراہوں کی دیکھا دیکھی ماڈرن بننے کی دوڑ میں اب وہ دنیا دار اور آخرت سے غافل لوگ بھی شامل ہو رہے ہیں جو کبھی کبھار مسجد کا رُخ کر لیا کرتے

تھے۔ یہ وہ روشن خیال لوگ ہیں جو علماءِ حق کی حق گوئی سے بیزار ہیں، قرآن وحدیث کی خودساختہ تشریح کرتے ہیں، خودکو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دانشور سمجھتے ہیں اور انسان کے اشرفُ المخلوقات ہونے پر گھنٹوں بول سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر زندگی کے قیمتی لمحات غفلت کے ساتھ محض کھانے پینے، سونے جاگنے، حصولِ معاش اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں گزار دیے جائیں تو ایسا انسان اِن امور کی بناء پر اشرف المخلوقات کے مقام پر کیسے فائز ہوسکتا ہے؟ یہ اوصاف تو جانوروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

خوب یادرکھیے کہ وہی انسان اشرف المخلوقات ہے جو عقل وشعور کے ذریعے اپنی نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کی تعلیمات کے تابع کرلے اور اس فانی دنیا پر آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دے۔ زندگی کا ہر ہر لمحہ بیحد قیمتی ہے اور اسے غفلت میں گذار دینا یقیناً جرم ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''اگرکسی کے پاس قیمتی موتی ہوں اور وہ اس سے ضائع ہوجائیں تو اس کے لیے رونے کا مقام ہوتا ہے اور اگر اس نقصان کے علاوہ اس پر سزا ملنے یا مصیبت میں گرفتار ہونے کا خطرہ بھی ہوتو یہ اورزیادہ رونے کا مقام ہوگا۔

تو پھر زندگی کا ہر سانس جو ایک قیمتی موتی ہے اور ایسا قیمتی کہ اس کے عوض میں فلاحِ دارین حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر اِسے گناہوں کی نذر کردیا جائے تو کیا یہ ہلاکت کا باعث نہ ہوگا؟ اور کیا اس بندے کی حالت عبرتناک نہ ہوگی؟

لیکن اس حقیقت کا احساس تو جبھی ہوسکتا ہے کہ بندہ اس حقیقت سے باخبر ہو اور اس نعمت کی پہچان بھی رکھتا ہو۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ اس حقیقت کی خبر ہوتی ہی اُس وقت ہے جب پانی سر سے گذر چکا ہوتا ہے اور پھر پچھتانا، کام نہیں آتا''۔

حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''شاید کل کا دن تمہیں اس حال میں آئے کہ تم اس دنیا کی بجائے قبر میں موجود ہو یا شاید اگلے ہی لمحے تمہیں موت آجائے۔ کل کا بھی کیا بھروسہ پھر یہ غفلت کیسی؟ اور یہ لاپروائی کیوں؟ تمہارے دل کس قدر سخت ہو گئے ہیں! کیا تم پتھر ہو؟ تم سے میں بھی کہہ رہا ہوں اور دوسرے بھی، لیکن تم برائی کی ہی حالت پر قائم ہو۔ تم پر قرآن اور حدیثیں پڑھی جاتی ہیں اور اگلے لوگوں کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ افسوس! تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہ تم بدلتے ہو، نہ ڈرتے ہو اور نہ ہی تمہارے اعمال بدلتے ہیں''۔

ایمان ویقین کی کمزوری:

اللہ کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کو موت آنے کا یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کو فنا ہے۔ ہم سے پہلے کتنے زندہ لوگ موت نے قبروں میں پہنچا دیے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی بھی منکر نہیں۔ لیکن کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ اگر ہمیں اپنی موت پر پختہ یقین ہوتا تو ہم اپنی آخرت کی زندگی کے لیے نیک اعمال کرتے اور گناہ کے کاموں میں مشغول نہ ہوتے۔

مفکر اسلام پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ سورۃ التکاثر کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

''ذرا تصور کیجیے کہ لوگ اپنے رب سے غافل، اپنی موت سے بے پرواہ اور اپنی آخرت کو فراموش کر کے دنیا اور اس کا مال ومتاع جمع کرنے کی حرص وہوس میں مدہوش ہیں اور وہ جہنم کے گہرے گڑھے کے اتنے قریب پہنچ چکے ہیں کہ بس موت آئی اور وہ جہنم میں گرے۔

ایسے میں ایک ڈر سنانے والا اور غیب کی خبریں بتانے والا ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر انہیں خطرے سے آگاہ کر رہا ہے، اے لوگو! تم دنیا کی فانی چیزوں اور

حقیر لذتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنے خالق و مالک اور رب کو بھول چکے ہو۔ ان چیزوں کے حصول کی ہوس میں باہمی مسابقت اور تفاخر نے تمہیں اپنے مقصدِ حیات سے غافل کر دیا ہے۔ تم مال و دولت اور جاہ و منصب کے حصول کی دُھن میں اپنی موت اور آخرت کو بھول بیٹھے ہو۔

اب وہ لمحہ آنے والا ہے کہ اچانک تمہیں موت آئے گی اور تم یہ سب مال و متاع اور جاہ و منصب چھوڑ کر قبر کے تاریک گڑھے میں چلے جاؤ گے، جہاں تمہارے لیے بستر ہے نہ تکیہ، روشنی ہے نہ اے سی، مال ہے نہ خادم، دوست ہیں نہ رشتہ دار، طاقت ہے نہ اقتدار۔ وہاں صرف ایک چیز تمہارے ساتھ ہوگی اور وہ ہیں تمہارے اعمال۔

اگر روزانہ قبرستان میں مُردے دفن ہوتے دیکھ کر بھی تمہیں اس بات کا یقین نہیں تو ''ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے''۔ جب تم خود قبر میں پہنچو گے تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے گی کہ وہاں تمہارے ساتھ سوائے تمہارے نیک و بد اعمال کے کچھ نہیں۔ اور ''پھر ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے'' جب قبریں کھلیں گی اور تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے سینوں میں پوشیدہ راز تک کھول کر سامنے رکھ دیے جائیں گے۔

''ہاں ہاں! اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے''۔ اب بھی وقت ہے دنیا اور مالِ دنیا کی حقیقت کو سمجھو اور اپنے مقصدِ تخلیق پر غور کرو۔..........

یہ بات روزمرہ کے مشاہدے کا حصہ ہے کہ ایک ناسمجھ بچہ آگ میں بلا جھجک ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اسے علم نہیں کہ آگ جلاتی ہے۔ اگر بالفرض اسے یہ بتا دیا جائے اور پھر بھی وہ آگ میں ہاتھ ڈال دے تو عقلمند یہی کہیں گے کہ اس نے ایسا اس لیے کیا کہ یہ ناسمجھ ہے، اسے آگ کے جلا دینے کا یقین نہیں تھا۔ یہی عقلمند لوگ خود کبھی آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے کیونکہ انہیں آگ کے جلا دینے کا یقین ہوتا ہے۔

غور فرمایئے، اس دنیاوی آگ کے جلا دینے پر پختہ یقین ہونے کے باعث عقلمند

اس سے دور رہتے ہیں لیکن جہنم کی آگ سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے ۔کیا اس کا سبب یہ نہیں کہ ہمارا آخرت پر یقین دنیاوی لذتوں اور نفسانی خواہشات کے گرد وغبار میں اَٹ کر دھندلا گیا ہے؟

کیا رب تعالیٰ اور اُس کے سچے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ منکروں اور نافرمانوں کو جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا؟ اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے کئی گنا زیادہ طاقتور ہے۔ اگر دنیاوی آگ کے جلانے کی طرح ہمیں جہنم کی آگ کے جلانے پر بھی ایسا یقین ہو جائے تو ہم کبھی حرام کاموں کے قریب نہ جائیں اور شیطان کی پیروی کرنے کی بجائے صرف آقا ومولیٰ ﷺ ہی کی پیروی کریں۔

ارشاد ہوا، ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ٥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾

''بیشک ضرور جہنم کو دیکھو گے، پھر بیشک ضرور اسے یقینی دیکھنا دیکھو گے''۔

مفہوم یہ ہے کہ اے لوگو! تمہیں رسولِ معظم ﷺ نے قرآن کریم اور احادیثِ مقدسہ کے ذریعے علم عطا فرما دیا ہے کہ قیامت میں جس کے نیکیوں کے پلّے ہلکے ہونگے وہ جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

آج تم اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے علم پر یقین کر لو کہ بیشک جہنم کا وجود ہے۔ ورنہ قیامت کے دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھ لو گے۔

جہنم پر یقین نہ کر کے غفلت میں ساری زندگی گزار کر، اگر اُس وقت یقین کی آنکھ سے دیکھو گے بھی تو کیا فائدہ۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تم آج ہی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور جہنم سے بچنے کی تیاری شروع کر دو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''دنیا میں انسان کو یقین اور عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہ دونوں چیزیں مانگو''۔

حق یہی ہے کہ اگر بندے کو آخرت پر کامل یقین حاصل ہو جائے تو اُسے دنیا ہی

میں گناہ کے ساتھ جہنم نظر آنے لگتی ہے اور پھر وہ گناہوں سے اس طرح دور ہو جاتا ہے جیسے وہ جہنم سے دور رہنا چاہتا ہے۔ (تفسیر انوار القرآن: ۲۲۵، ملخصاً)

آخرت میں گواہ کون؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ اور فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ زمین کیا خبریں دے گی؟ صحابہ نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا، اس کی خبریں یہ ہیں کہ یہ ہر مرد و عورت کے بارے میں گواہی دے گی کہ اس نے میری پشت پر فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے، یہی اس کی خبریں ہیں۔ (ترمذی ابواب التفسیر)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا، زمین پر محتاط رہو۔ یہ تمہاری ماں ہے، اس پر جس نے بھی اچھا یا برا عمل کیا، یہ اس کے بارے میں ضرور خبر دے گی۔ (دُرِ منثور)

رب تعالیٰ اگر چاہے تو محض اپنے علم ہی کی بنیاد پر نیکوں کو جزا اور بُروں کو سزا دے دے لیکن وہ انسانی سوچ کے لحاظ سے عدل و انصاف کے ظاہری تقاضے پورے فرمائے گا۔ فردِ جرم کے طور پر ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ پھر اس پر گواہیاں پیش کی جائیں گی اور یہ گواہ ہر قسم کے ہونگے۔ انسان کے ہاتھ اور پاؤں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولنا شروع کر دیں گے۔

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ (یٰسۤ: ۶۵، کنز الایمان)

''آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر کر دیں گے (کہ وہ بول نہ سکیں) اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور اُن کے پاؤں اُن کے کیئے کی گواہی دیں گے''۔

انسان کے کان، آنکھ اور اس کی کھال بھی اسکے خلاف گواہی دے گی۔ ارشاد ہوا،

﴿شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ وَقَالُوْا

لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾

''اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر اُن کے کیئے کی گواہی دیں گے۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے، تم نے ہم پر کیوں گواہی دی؟ ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی''۔ (حٰمٓ السجدۃ:۱۹-۲۱)

ذرا سوچیے تو سہی! وہ کیسا منظر ہوگا جب انسان کے ہاتھ پاؤں اس کے کیئے کی گواہی دے رہے ہونگے، اس کے کان اور آنکھیں اور اس کی کھال اس کے خلاف بول رہی ہوگی۔ پھر زمین بھی بولنا شروع کر دے گی، اس شخص نے میرے فلاں حصے پر فلاں وقت یہ یہ گناہ کیے۔ غرض یہ کہ کوئی بات ایسی نہ رہے گی جس پر وہ اپنی گواہی پیش نہ کرے۔

سابقہ زمانے کے لوگ تو شاید زمین کے اس طرح خبریں بیان کرنے پر تعجب کرتے ہونگے مگر اس جدید دور کے انسان کو اس پر قطعاً حیران نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈ، ویڈیو اور الیکٹرانکس کے نت نئے آلات دیکھ رہا ہے۔ اور تو اور کمپیوٹر کی ایک چھوٹی سی چِپ (Chip) میں اور موبائیل فون کی حقیر سی سِم (Sim) میں ہزاروں لاکھوں صفحات محفوظ کیے جاسکتے ہیں۔

تو پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء اور کھال میں اور زمین کے ذرات میں ایسی صلاحیت رکھ دی ہو کہ انسان کے تمام اعمال اس میں محفوظ کیے جارہے ہوں، اس کی آوازیں فضا میں محفوظ ہو رہی ہوں اور اس کے اعمال زمین پر ثبت ہو رہے ہوں۔ پھر قیامت کے دن یہ سب کچھ ایک متحرک منظر کی طرح انسان کے سامنے آجائے اور زمین ساری خبریں بیان کردے۔ (انوار القرآن)

آپ مزید رقمطراز ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے اعضاء بولنے لگیں گے اور اسی کے حکم سے زمین بھی کلام کرے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو چیز بھی کلام کرتی ہے

وہ رب تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ہی کلام کرتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو زبان بھی تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہی ہے لیکن گوشت کے دیگر ٹکڑے تو ساکت رہتے ہیں مگر زبان بولتی ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ تمام تر کوشش کے باوجود اس کا یہی جواب ملے گا کہ ایک قادرِ مطلق ہستی نے اسے ناطق بنادیا ہے۔

حق یہی ہے کہ وہ چاہے تو گوشت کے ایک ٹکڑے کو بولنے کی طاقت بخش دے، وہ چاہے تو ایک نرم ہڈی یعنی کان میں سننے کی صلاحیت رکھ دے، وہ چاہے تو چکنائی کے ایک ٹکڑے یعنی آنکھ میں دیکھنے کی قوت پیدا فرمادے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ زمین کو بھی بولنے کی صلاحیت عطا فرمادے۔آج رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ زمین خاموش رہے لیکن قیامت کے دن اُس کی مرضی یہ ہوگی کہ زمین ناطق ہو جائے، تو زمین اس کے حکم سے بولنا شروع کردے گی۔(انوار القرآن:۱۷۵)

آخرت کی فکر:

اُس شخص کی مثال جو آج دنیا میں نیکیاں کر کے آخرت کی تیاری نہیں کرتا، ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی جوانی میں جو مال کمائے وہ لٹاتا رہے۔وہ نہ اپنے لیے کوئی گھر بنائے، نہ ضروریاتِ زندگی مثلاً لباس بستر وغیرہ خریدے اور نہ ہی اپنے بڑھاپے کے لیے کچھ مال جمع کرے۔

پھر جب وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی قوتیں جواب دے جائیں اور وہ کام کرنے سے معذور ہو جائے، اب اسے احساس ہو کہ اس کے پاس نہ گھر ہے، نہ سخت سردی سے بچاؤ کے لیے لباس و بستر، اور نہ ہی کوئی مال کہ جس سے وہ اپنے لیے کھانا وغیرہ خرید سکے۔اُس وقت وہ بہت پچھتائے گا مگر پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔

یہی حال اُس شخص کا ہوگا جو آج اپنی دنیا بنانے میں مصروف ہے اور اسے آخرت کی کوئی فکر نہیں۔آج ہر کسی کو یہ فکر تو ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیوی بچوں

کا کیا ہوگا لیکن اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کیا ہوگا اور اس کے بیوی بچوں کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ بندہ اپنے بچوں کے عارضی اور فانی مستقبل کے لیے تو بہت کچھ سوچتا اور کرتا ہے لیکن ان کے دائمی مستقبل یعنی آخرت کے لیے کوئی فکر نہیں کرتا، تعجب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اے انسان! اللہ کی راہ میں خرچ کر۔ تو اپنے وارثوں سے محبت نہ کر اور نہ ہی ان کے لیے مال جمع کر۔ یہ جب تجھے قبر میں لٹائیں گے تو گھر واپس آ کر تجھے بھول جائیں گے۔ یہ اپنے لباس کو خوشبو لگائیں گے، کھائیں پئیں گے، نکاح کریں گے اور تیرے مال پر عیش کریں گے جبکہ اُس مال کا حساب تجھے دینا ہوگا''۔ (تنبیہ المغترین)

قرآن مجید نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ اگر ایمان لانے کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول ﷺ کی محبت و اطاعت سے غافل رہیں گے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دل سخت ہو کر ایمان کی لذت سے محروم ہو جائیں گے۔

ارشاد ہوا، ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَايَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحدید:۱۶)

''کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ اُن کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اُس حق کے لیے جو اُترا، اور اُن جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر اُن پر مدت دراز ہوئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے، اور اُن میں بہت سے فاسق ہیں''۔

اَز خوابِ گراں خیز:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بارگاہِ نبوی میں سوال کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مسلمان زیادہ عقلمند ہے؟ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''جو موت کو زیادہ یاد

کرتا ہے اور اس کے لیے خوب تیاری کرتا ہے۔''

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اے مسلمان! موت سے ہرگز غافل نہ ہونا کیونکہ وہ بھی تجھ سے غافل نہیں ہے۔ اُس غافل کی طرح مت ہو جانا جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ اپنی خواہشات سے محبت کرتا ہے۔ نہ اُس غافل کی طرح ہونا جس کے تمام اعمال جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں اور اس کا خیال ہے کہ وہ جہنم سے نجات پا جائے گا۔ اور نہ ہی اُس غافل کی طرح ہو جانا جو دن رات رب کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کا گمان ہے کہ غفور و رحیم رب بخش دے گا۔

شیخ علی خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اپنے رب کی نافرمانی سے بچو۔ یہ سمجھنا کہ رب تعالیٰ غفور و رحیم ہے، نفس کی گمراہی اور شیطان کا دھوکہ ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ''جب امید، خوف پر غالب آ جائے تو دل گمراہ ہو جاتا ہے جیسا کہ بیوقوف لوگ سمجھتے ہیں''۔

حضرت اسحاق بن خلف رحمہ اللہ فرماتے تھے، ''ڈرنے والا وہ نہیں جو آنسو بہاتا ہے بلکہ ڈرنے والا وہ ہے جو خدا کے خوف سے گناہ چھوڑ دیتا ہے''۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ اُس پر روتے ہیں جس کا جسم مر جائے اور اُس پر نہیں روتے جس کا دل مر جائے حالانکہ دل کا مر جانا زیادہ دکھ کی بات ہے''۔ (تنبیہ المغترین)

اے انسان! ابھی تیری زندگی کی سانسیں باقی ہیں، اس مہلت سے فائدہ اُٹھا لے اور گناہوں سے سچی توبہ کر لے، اس سے پہلے کہ تیرا آخری وقت آ جائے۔ پھر تیرے لیے ڈاکٹر بلائے جائیں اور وہ تیری زندگی سے مایوس ہو جائیں۔ پھر تیری پیشانی پر پسینہ آ جائے اور تیری روح تیرے جسم کے ہر ہر عضو سے کھینچ لی جائے۔ پھر تیرے گھر والے اور رشتہ دار جمع ہو کر تیری موت پر رونے لگیں۔

اے غافل انسان! یاد رکھ، وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تیرا عہدہ، تیری کوٹھی، اور تیرا مال تجھ سے چھن جائے گا اور تو ایک تختہ پر غسل دینے والوں کے ہاتھ میں ہو گا۔ تیرے چاہنے والے تجھے غسل اور کفن دے کر قبرستان لے جائیں گے اور مٹی کے نیچے دفن کر دیں گے۔ تیرا خوبصورت جسم کیڑوں کی خوراک بنے گا اور پھر خاک میں مل کر خاک ہو جائے گا۔

اے عزیز! تیرے چاہنے والے کچھ عرصہ تیری یاد میں روئیں گے اور پھر تجھے ہمیشہ کے لیے بھول جائیں گے، اور تو قبر میں اپنے گناہوں کی سزا میں گرفتار ہو جائے گا۔

اے عقل منداور باشعور انسان! آج سوچ تو سہی! جیسے تو زندگی گزار رہا ہے، کیا تو اس سے مطمئن ہے؟ کیا تو اپنے مقصدِ تخلیق کے مطابق زندگی گزار رہا ہے؟

ذرا دل کے کانوں سے سن! سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، میرا اور تیرا، غفار وستار، ربِ کریم فرما رہا ہے،

﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ (الانفطار)

''اے انسان! تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے''۔

﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ﴾

''دوڑو! اپنے رب کی بخشش، اور جنت کی طرف''۔ (النساء:۱۳۳)

﴿فَفِرُّوْۤا اِلَی اللّٰهِ﴾ ''پس اللہ کی طرف بھاگو''۔ (الذٰریٰت:۵۰)

﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا﴾ (المزمل:۱۹)

''بیشک یہ قرآن نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے''۔

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾ (بنی اسرائیل:۹)

''بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے''۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾

''بیشک اِس قرآن میں نصیحت ہے اُس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگا کر سنے اور متوجہ ہو''۔(ق:۳۷)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''تم تین مواقع پر اپنے دل کا جائزہ لو۔ ذکرِ الٰہی کی مجلس میں، قرآن پڑھتے یا سنتے وقت اور تنہائی میں''۔

اگر ان تین مواقع پر تمہارا دل رب تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو تو تم دعا مانگو، ''اے اللہ! مجھے دل عطا فرما دے کیونکہ میرے سینے میں دل نہیں ہے''۔

فرمانِ الٰہی ہے، ﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

''(اللہ) حکمت دیتا ہے جسے چاہے۔ اور جسے حکمت ملی، اُسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے''۔(البقرۃ:۲۶۹)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حکمت سے مراد ہے، قرآن پاک کو اس طرح سمجھنا جس طرح سمجھنے کا حق ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حکمت کا مطلب ہے، ''قرآن پاک پڑھنا اور اس میں غور وفکر کرنا''۔

جب قرآن کا فہم حاصل ہوگا تو عمل کا راستہ روشن ہوگا۔ رب تعالیٰ مائل بہ کرم ہے، ہے کوئی سائل؟؟ وہ ارشاد فرماتا ہے،

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے''۔(العنکبوت:۶۹)

اگلے باب میں منتخب قرآنی آیات مختصر تفسیر کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے نور سے ہمارے سینوں کو روشن فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆
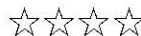
باب دوم

فکرِ آخرت، قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان، رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آخرت پر ایمان، یہ ایمانیات کے تین بنیادی اجزاء ہیں۔ رب کریم نے متقی مسلمانوں کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿01﴾

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ. وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ o

''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن ہے جس میں) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔ وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں، اور نماز قائم رکھیں، اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں (یعنی خرچ کریں)۔

اور وہ کہ ایمان لائیں اُس پر جو (اے محبوب!) تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا، اور آخرت پر یقین رکھیں''۔ (البقرۃ: ۲ تا ۴، کنزالایمان)

﴿02﴾

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ o الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ o

''اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر اُن پر (بھاری نہیں) جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں اور جنہیں یقین ہے کہ اُنہیں اپنے رب سے ملنا ہے، اور اُسی کی طرف پھرنا''۔ (البقرۃ: ۴۵، ۴۶، کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ جس شخص کا آخرت پر اور آخرت میں رب تعالیٰ سے ملنے پر پختہ

ایمان ہے، اُس کے لیے نمازوں کی پابندی کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ہمارے لیے اپنے ایمان کا جائزہ لینا آسان ہے۔ یہ حدیث بھی ذہن نشین رہے کہ ''منافقوں پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں''۔ (بخاری)

﴿03﴾

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ o

''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو، اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے یہاں پاؤ گے، بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے''۔ (البقرۃ:۱۱۰)

مومن کا ایمان ہے کہ وہ دنیا میں جو نیکیاں بھی کرے گا، ان کا اجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پائے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے تمام کام دیکھ رہا ہے۔

سورۃ الحدید میں رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا،

﴿وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴾ (آیت۴)

''وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں ہو، اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے''۔

اگر یہ احساس مومن کے ذہن میں راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے، تو اس طرح ہمارے بہت سارے کاموں کی اصلاح ہو جائے گی۔

﴿04﴾

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ وَنَبۡلُوۡکُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَیۡرِ فِتۡنَۃً وَاِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ o

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے، جانچنے کو۔ اور تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔ (الانبیاء:۳۵)

05

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تمہارے (اعمال کے) بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے۔ جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا، اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے''۔ (ال عمران: ۱۸۵)

ان آیاتِ مبارکہ سے درج ذیل باتیں واضح ہوئیں۔

اول: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

دوم: انسان کو دنیا میں بھلائی اور برائی کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔

سوم: ہم سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے۔

چہارم: انسان کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا قیامت کو ملے گی۔

پنجم: جہنم سے بچنا اور جنت میں جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

ششم: دنیا کی زندگی سراسر دھوکے کا مال ہے۔

جس طرح کوئی دھوکا دینے والا کسی نقلی چیز پر عمدہ پالش کر کے اسے چمکاتا ہے اور اسے اصلی کہہ کر بازار میں بیچتا ہے۔ پھر اس نقلی چیز کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر اگر کوئی خریدار اسے خرید لے تو بعد میں اصل حقیقت معلوم ہونے پر بہت پچھتاتا ہے۔

اسی طرح شیطان دنیا کو خوشنما کر کے پیش کرتا ہے۔ اب جو کوئی دنیا کی فانی زندگی کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا کھا کر آخرت کی دائمی زندگی کو فراموش کر دے گا، وہ آگ سے بچ کر جنت میں نہیں جا سکے گا۔ لہٰذا کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انسان موت اور آخرت کی فکر سے ہرگز غافل نہ رہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ o

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ o

''لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، (یعنی) عورتیں اور بیٹے، اوراوپر تلے سونے چاندی کے ڈھیر، اورنشان کیے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اوراللہ کے پاس اچھاٹھکانا ہے۔

تم فرماؤ! کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں، پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گےاور ستھری بیویاں، اوراللہ کی خوشنودی، اور اللہ بندوں کودیکھتا ہے''۔(ال عمران:۱۴،۱۵)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کے دل میں بیوی، اولاد، مال،سواریاں، مویشی اورکھیتی باڑی، ان سب چیزوں کی محبت پیدافرمائی ہے۔ اگر یہ محبتیں نہ ہوتیں تو شادی کی ذمہ داری، اولاد کی پرورش، نسلِ انسانی کی بقا، غریبوں کی مدد، صبروشکر، ایثار وسخاوت کیونکرممکن تھے۔ غرض یہ کہ یہ سارے مراحل اورآزمائشیں رکھی گئیں تاکہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں باحیابیوی، نیک اولاد، پاکیزہ مال اورحلال رزق میسر ہواورلوگ حقوق ُاللہ کے ساتھ حقوق ُالعباد کابھی خیال رکھیں۔

پھر یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ اِن کی محبت میں مبتلا ہو کراپنی آخرت کو نہ بھول جانا، جہاں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کے لیے ان نعمتوں

سے کئی گُنا بہتر نعمتیں پیدا فرمائی ہوئی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿07﴾

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○

''انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور عیش کریں، اور امید انہیں کھیل میں ڈالے رکھے تو جلد (اپنا انجام) جاننا چاہتے ہیں''۔ (الحجر:۳)

دنیا کی زندگی جلد ختم ہونے والی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔اس لیے یہاں کی رنگینیوں میں دل لگانا آخرت سے غفلت کا سبب ہے۔ نصیحت قبول نہ کرنے والے دنیا پرستوں کے لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو تاکہ یہ کھانے پینے اور عیش وعشرت میں مگن رہیں، کیونکہ ان کے نزدیک زندگی انہی چیزوں کا نام ہے۔لمبی اُمیدوں نے انہیں غافل کیا ہوا ہے، جلد ہی جب موت آئے گی، انہیں اس غفلت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، بدبختی کی چار نشانیاں ہیں۔آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ آنا، دل کا سخت ہونا، لمبی امیدیں اور دنیا کی حرص۔ (تفسیر قرطبی)

آنسوؤں کا جاری نہ ہونا دل کی سختی کی وجہ سے ہے، دل کی سختی گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے، گناہوں کی کثرت موت کو بھلانے کی وجہ سے ہے، موت کو بھلانا لمبی امیدوں کی وجہ سے ہے اور لمبی امیدیں دنیا کی محبت کی وجہ سے ہیں۔

﴿08﴾

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○

''اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود، اور بیشک پچھلا گھر (یعنی آخرت) بھلا ہے اُن کے لیے جو ڈرتے ہیں۔تو کیا تمہیں سمجھ نہیں''۔ (الانعام:۳۲)

''لعب'' اُس چیز کو کہتے ہیں جو دنیا کی طرف راغب کرے اور ''لھو'' سے مراد وہ چیز ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔ اسے عموماً کھیل کود سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو کھیل کود سے تشبیہ دی ہے اور آخرت کی فکر کرنے والوں کو عاقل اور سمجھ دار فرمایا ہے۔

﴿09﴾

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٥

''اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود، اور بیشک آخرت کا گھر! ضرور وہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا تھا اگر جانتے''۔ (العنکبوت:٦٤)

دنیا کی زندگی کو کھیل کود سے اس لیے تشبیہ دی گئی کیونکہ کھیل کود عارضی چیز ہے۔ جیسے بچے کچھ دیر کھیلتے ہیں پھر سب کچھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اسی طرح دنیاوی زندگی بہت مختصر اور ناپائیدار ہے۔ موت انسان کو دنیا سے ایسے ہی جدا کر دیتی ہے جیسے بچے کھیل چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل کود بچوں کا کام ہے یا کم عقل لوگوں کا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے، وہ دنیا کی رنگینیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے بلکہ دائمی زندگی یعنی آخرت کی فکر کرتے ہیں۔

﴿10﴾

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ٥

''جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود، اور آرائش، اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

اُس بارش کی طرح جس کا اُگایا سبزہ کسانوں کو بھایا، پھر سوکھا تو تم دیکھو کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا پھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور آخرت میں (دنیا پرستوں کے لیے) سخت عذاب ہے اور (پرہیزگاروں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا، اور دنیا کی زندگی تو نہیں مگر دھوکے کا مال''۔ (الحدید: ۲۰)

دنیا داروں کے نزدیک دنیا کی زندگی کے اہم اجزاء میں کھیل کود ہے جو بچوں کا کام ہے، زینت و آرائش ہے جو کہ عورتوں کی عادت ہے، بڑائی مارنا اور کثرت چاہنا ہے جو کہ احمق اور غافل لوگوں کا کام ہے۔ جب دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں تو پھر ان پر غرور کرنے کا کیا فائدہ۔ اللہ کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو ہمیشہ کی زندگی کی فکر کرے اور زیادہ پرہیزگار ہو۔

دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے دی گئی جس کے سبب فصل اُگتی ہے پھر وہ سوکھ جاتی ہے اور آخرکار ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بچپن سے جوان ہونے تک وہ سب کو اچھا لگتا ہے۔ جب بڑھاپا شروع ہوتا ہے تو اس کی رنگت بدلنے لگتی ہے، چہرے کی دلکشی کی جگہ جھریاں پڑنے لگتی ہیں، اور جسمانی قوتیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں یہاںتک کہ وہ اس فانی دنیا سے چلا جاتا ہے۔

جو دنیا کی محبت میں آخرت کو بھول جاتے ہیں وہ عذاب میں ہونگے اور جو دنیا کی نعمتوں سے اپنی آخرت سنوار لیتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور رضا ہوگی۔ ہر شخص اس حقیقت کو سمجھ لے کہ دنیا کی زندگی تو آزمائش اور دھوکا ہے۔

﴿11﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

يَتَضَرَّعُوْنَ○ فَلَوْلَآ اِذْجَآءَ هُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

’’اور بیشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں۔

تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ گڑگڑاتے، لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے۔

پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں، تو ہم نے ہر چیز کے دروازے ان پر کھول دیے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا، تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا، اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔ تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی‘‘۔

(الانعام:۴۲-۴۵)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور تکلیف کا آنا بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان لوگوں کو فریب دیتا ہے تو وہ اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ توبہ کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ گناہوں کے باوجود کسی قوم کو نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کسی پر اللہ تعالیٰ دنیا وسیع کر دے اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس کا عمل ناقص اور اس کی فکر بیکار ہو گی۔ اور جس کسی سے اللہ تعالیٰ نے دنیا روک لی ہو اور وہ اس تنگی میں

خیر کا گمان نہ کرے تو اس کا عمل بھی ناقص اور اس کی فکر بیکار ہوگی۔ (قرطبی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کے باوجود اس کی پسندیدہ چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہاں ''استدراج'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈٹے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مزید نعمتیں عطا کرے اور انہیں مزید ڈھیل دیتا رہے تاکہ وہ مغرور ہو کر توبہ نہ کریں اور پھر اچانک اس کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

﴿12﴾

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ o

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ o

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ o

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔...... مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کیے پر گرفتار کیا۔...... کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سو رہے ہوں۔...... یا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیل رہے ہوں۔...... کیا اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر نہیں ہوتے مگر تباہی والے''۔ (الاعراف: ۹۶-۹۹)

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ، اپنے نبیوں کو جھٹلانے کی وجہ سے قوموں کو فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ پہلے انہیں بیماریوں، قحط اور دیگر مصائب میں مبتلا فرماتا ہے تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ ان کا پہلا امتحان ہوتا ہے جس میں وہ ناکام رہتے ہیں۔

پھر انہیں صحت و عافیت اور خوشحالی عطا کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ مگر وہ لوگ مصائب اور خوشحالی سے عبرت نہیں پکڑتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تنگی و آسانی اللہ کی قدرت سے نہیں بلکہ گردشِ زمانہ کے سبب ہے تو رب تعالیٰ ان پر اچانک عذاب نازل فرماتا ہے۔

مسلمان ، کافر کی طرح نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ مصیبت اور تکلیف اس کے گناہوں کے سبب آتی ہے یا اس کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور صبر کے باعث اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں اور مصائب پر صبر کریں۔

پہلی آیت میں برکت کا ذکر ہے، اس کے لفظی معنی ''زیادتی'' کے ہیں۔ زمین و آسمان کی برکتوں سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی بھلائی ہر وقت انہیں زیادہ نفع دے۔

برکت یا تو کسی چیز کے بڑھ جانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جیسے حضور ﷺ کے معجزات میں قلیل طعام یا پانی کا زیادہ لوگوں کو کافی ہو جانا۔ یا کسی چیز سے زیادہ نفع ہو جیسے کسی چیز کا طویل عرصہ تک نفع دینا یا کسی غذا کا جسمانی صحت و قوت کا سبب بن جانا، یا تھوڑی محنت سے زیادہ اجر پانا۔

وقت میں برکت یہ ہے کہ ایک گھنٹہ میں کئی گھنٹوں کا کام ہو جائے۔ رزق میں برکت یہ ہے کہ کم مال سے زیادہ فائدہ ملے، مال نہ ضائع ہو اور نہ بیماری و دوا میں استعمال کرنا پڑے۔ زندگی میں برکت یہ ہے کہ صحت اور رزق کے ساتھ سکون حاصل

رہے۔بندہ ایمان اور تقویٰ چھوڑ دینے سے ان برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

آخری آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا کی رنگینیوں اور عیاشیوں میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اُن پر رات کے وقت یا دن میں کسی بھی حالت میں اللہ کا عذاب آ سکتا ہے۔عقل کا تقاضا ہے کہ پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کی جائے۔

﴿13﴾

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا. وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِo

''اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچ ہے، تو ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی، اور ہر گز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو (گناہ کی طرف) اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں ہو جائیں''۔(فاطر:۵،۶)

اللہ کا وعدہ سچا ہے یعنی یہ کہ قیامت ضرور آنی ہے، مرنے کے بعد تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا اور تمہارے اعمال کا حساب ضرور لیا جائے گا۔

دنیا کی زندگی کا دھوکا اس کی لذتوں میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانا ہے۔اور شیطان کا دھوکا یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالے کہ گناہوں سے خوب مزے اُٹھالو، اللہ معاف کرنے والا ہے۔اس کا فریب یہ ہے کہ وہ تمہیں توبہ سے روک دے اور گناہوں پر دلیر کرے۔

رب کی محبت گناہوں سے دور لے جاتی ہے اور گناہوں کی محبت رب سے دور کر دیتی ہے۔سوچیے ہم کس سے دور ہو رہے ہیں؟

یہ بھی شیطان کے فریب ہی کی ایک صورت ہے کہ وہ بندوں کو فرائض اور واجبات سے غافل کرے اور مستحب اُمور میں الجھائے رکھے یہاںتک کہ بندے اپنی تمام صلاحیتیں اور مال مستحب کاموں مثلاً محافلِ نعت، اس میں عمرے کے ٹکٹ وغیرہ پر خرچ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل رہیں، اور مساجد و مدارس کے انتظام کی دینی ذمہ داری کو محسوس نہ کریں۔

کئی لوگ لنگر کے لیے دیگوں کے انتظام میں پیش پیش ہوتے ہیں لیکن مدرسہ کے لیے خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے حالانکہ دین کی تعلیم و تدریس دینی ضروریات میں سے ہے اور محفل نعت یا لنگر کا اہتمام ثواب کا کام ہے، سنت یا واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ خواہشات کی پیروی کی بجائے اپنی بندگی نصیب فرمائے، آمین۔

﴿14﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور ہر جان یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اور ان جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے اُنہیں اِس بلا میں ڈالا کہ انہیں اپنی جانیں یاد نہ رہیں، وہی فاسق ہیں''۔ (الحشر:۱۸،۱۹)

ان آیات میں رب تعالیٰ نے آخرت کی فکر کرنے کا واضح حکم دیا ہے۔ مومن کو ہر روز اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ آج اُس نے اپنے کل یعنی آخرت کے لیے کیا اعمال آگے بھیجے ہیں۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ دنیا آج کا دن ہے اور آخرت کل، گویا تمام دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک دن کی مثل ہے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے جیسے آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہوتا ہے۔مزید یہ کہ قیامت بالکل قریب ہے جیسے آج کے بعد کل کا دن بہت قریب سمجھا جاتا ہے۔ایک قیامت تو وہ ہے جب کائنات فنا ہوگی اور دوسری قیامت انسان کی موت کے ساتھ ہی آجاتی ہے۔اس سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

پہلی بار ارشاد ہوا،''اللہ سے ڈرو''۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔پھر دوسری بار فرمایا،''اللہ سے ڈرو''۔مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔اچھا یا برا تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس مصیبت میں مبتلا کر دیا کہ انہیں اپنی جانوں کی فکر نہ رہی۔ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ انہوں نے اپنی دائمی زندگی کے لیے نیکیاں جمع نہ کیں اور اپنے حقیقی نفع نقصان کی تمیز سے محروم ہو گئے۔چنانچہ انہوں نے دنیا میں وہ کام ہی نہیں کیے جن کی بناء پر وہ فلاحِ دارین پا کر جہنم سے بچ جاتے۔

﴿15﴾

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ○اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

''جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو، ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے۔یہ ہیں وہ جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ، اور اکارت گیا جو کچھ وہاں کرتے تھے، اور نابود ہوئے جو ان کے عمل تھے''۔

(ھود:۱۵،۱۶، کنزالایمان)

جولوگ آخرت کے لیے نیکیاں نہیں کرتے بلکہ اپنے نیک اعمال سے صرف دنیا کی عزت، دولت، شہرت اور راحت چاہتے ہیں، انہیں دنیا ہی میں ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ ان کے لیے آخرت میں جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

یہ آیات ان لوگوں کے متعلق ہیں جو نیک اعمال صرف دنیاوی فائدوں کے لیے کرتے ہیں خواہ وہ کافر ہوں جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں، یا مسلمان ہوں جو زبان سے آخرت کو مانتے ہیں مگر ان کے اعمال آخرت کی فکر سے محروم اور محض دنیا ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے، ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ لہٰذا جو دنیا کی نیت کرتا ہے اسے دنیا ملتی ہے، جو آخرت کی نیت کرتا ہے، اسے آخرت ملتی ہے اور جو دونوں کی نیت کرے، اسے دونوں ملتی ہیں۔

''مومن دنیا و آخرت دونوں میں نعمتوں کا ارادہ رکھتا ہے مگر آخرت کا ارادہ غالب رکھتا ہے اس لیے اسے دنیا میں بھی بہتر جزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی نیک اعمال پر بڑا اجر ملے گا''۔ (تفسیر مظہری)

﴿16﴾

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ٥

''جو آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہے، ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں''۔

(الشوریٰ: ۲۰، کنز الایمان)

آخرت کی کھیتی سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں اور اس کا پھل قیامت میں ان اعمالِ صالحہ پر اجر و ثواب ہے۔ مومن دنیا میں اپنی آخرت کے لیے جس قدر محنت کرتا ہے،

کل اسے اس کی محنت سے کم از کم دس گنا زیادہ اجر ملے گا اور جس قدر زیادہ اخلاص ہوگا، اس اجر میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ جو کوئی صرف دنیا ہی کا طلبگار رہوگا، اسے دنیا ہی میں کچھ نہ کچھ دے دیا جائے گا، آخرت میں اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسان فصل بوتا ہے، اس پر مال خرچ کرتا ہے اور اس کے لیے مسلسل محنت کرتا ہے پھر کہیں جا کر فصل تیار ہوتی ہے۔ پھر وہ اس فصل سے غلہ حاصل کر کے اپنی گزر بسر کا انتظام کرتا ہے۔ اسی طرح ہم اس دنیا میں آخرت کی فصل بو رہے ہیں۔ یا تو ہم نے اچھے بیج بوئے ہیں یا خراب بیج ڈالے ہیں۔ ہم میں سے کوئی تو اس فصل سے بے پرواہو کر فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہا ہے جبکہ کوئی پوری محنت سے اپنی کھیتی کو بہتر بنانے میں مصروف ہے۔

آخرت کی کھیتی تیار کرنے کا وقت موت آنے تک ہے۔ فصل کاٹنے کا وقت موت سے شروع ہوتا ہے۔ موت آتے ہی زندگی بھر کی لگائی ہوئی کھیتی بندے کو نظر آنے لگتی ہے۔ اُس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ آج وہی فصل ملے گی جو ہم نے موت سے پہلے تیار کی تھی۔ کانٹے بو کر پھل پانے کی تمنا سراسر حماقت ہے۔ جس نے خراب بیج ڈالے تھے، وہ بھی پشیمان ہے، اور جس نے کھیتی کی نگرانی نہیں کی، وہ بھی پچھتا رہا ہے۔

جیسے ہر کسان کو اپنی محنت دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سال کتنا غلہ ملے گا، اسی طرح آج ہم بھی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے روز و شب کس کھیتی کی محنت میں گزر رہے ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے اور آخرت کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ جب کسی کو بھی موت کے بعد دوبارہ عمل کا موقع نہیں مل سکتا تو پھر آج ہی ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار ہو جانا چاہیے۔

﴿17﴾

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ o اُولٰٓئِکَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o

''بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے، اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے، اور اس پر مطمئن ہو گئے، اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں، اُن لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اُن کی کمائی کا''۔ (یونس: ۷، ۸، کنز الایمان)

اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت اور ثواب وعذاب کے قائل ہی نہیں، اور اُنہیں یہ فکر ہی نہیں کہ اُنہیں اپنے رب کے پاس حاضر ہو کر اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھول کر صرف دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور دنیا کی آسائشوں پر ایسے مطمئن ہیں جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور کہیں جانا ہی نہیں۔

اگر وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تو خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے، موت کے بعد کی زندگی کی فکر کرتے اور آخرت کے لیے نیکیاں جمع کرتے۔ ان لوگوں کے اعمال کی سزا یہ ہے کہ انہیں جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

غور کیجیے کہ ان آیات میں قیامت کے منکروں کی جو علامات بیان ہوئی ہیں، کیا وہ آج کے اکثر مسلمانوں کا حال نہیں؟ ہمارے روز وشب کے حالات اور مصروفیات دیکھ کر کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کمانے کے علاوہ کوئی اور فکر بھی لاحق ہے؟ کاش کہ مسلمان کفار کا راستہ چھوڑ کر آقا کریم ﷺ کا راستہ اپنا لیں۔

18

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ o نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ o

''کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے، یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دے رہے ہیں، بلکہ انہیں خبر نہیں''۔ (المؤمنون: ۵۵، ۵۶)

یعنی مال اور اولاد کی صورت میں جو نعمتیں انہیں مل رہی ہیں، یہ ان کے اعمال کی جزا ہیں اور نہ ہی رب تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ڈھیل دی جا رہی ہے کہ شاید یہ اپنے رب کی طرف لوٹ آئیں۔

جو قرآن کی ہدایت سے منہ موڑ کر زندگی گزارتے ہیں، وہ قیامت میں عذاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے مگر اُس وقت کی فریاد رائیگاں ہوگی۔ رب تعالیٰ ایسے غافل اور سرکش لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے،

﴿19﴾

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ۝ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ۝

''بلکہ اُن کے دل اِس (قرآن) سے غفلت میں ہیں اور اُن کے کام اِن (نیک) کاموں سے جدا ہیں جنہیں وہ کر رہے ہیں۔ یہاںتک کہ جب ہم پکڑیں گے اُن کے امیروں کو عذاب میں، تو وہ فریاد کریں گے۔ آج فریاد نہ کرو، ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی۔ بیشک میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پلٹ جاتے تھے''۔ (المؤمنون:۶۳ تا ۶۶)

جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں قرآن مجید کی ہدایت سے غافل رہتے ہیں اور اپنی من مانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، وہ قیامت کے دن ضرور عذاب میں گرفتار کیے جائیں گے۔ آج دنیا میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام سے تکبر کرنے والے کل دوزخ میں رحم کی فریاد کریں گے مگر ان کی بات نہ سنی جائے گی۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی گمراہی کا اکثر سبب ان کے مال و دولت

ہی ہوتے تھے جس کے نشے میں وہ اپنی قبر اور آخرت کو بھول جاتے تھے۔

﴿20﴾

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ نَارُ جَھَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا کَذٰلِکَ نَجْزِیْ کُلَّ کَفُوْرٍ o وَھُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْھَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ.

''اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ ہلکا کیا جائے۔ ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر بڑے ناشکرے کو۔ اور وہ (دوزخی) اس میں چلاتے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال کہ ہم اچھے کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے''۔

اس پر اُنہیں یہ جواب دیا جائے گا،

اَوَ لَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَ وَ جَآءَ کُمُ النَّذِیْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ o

''اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا، اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا، تو اب (عذاب کا مزہ) چکھو، کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''۔ (فاطر: ۳۷، کنز الایمان)

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں ساٹھ سال والے لوگ! یہ وہ عمر ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں۔ (مشکوٰۃ)

﴿21﴾

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ o (البقرۃ:۲۰۳)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ تمہیں اُسی کی طرف اُٹھنا ہے''۔

﴿22﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُس سے ملنا ہے''۔ (البقرۃ:۲۲۳)

﴿23﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ. ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o

''اور ڈرو اُس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔ (البقرۃ:۲۸۱)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کی پوری کوشش کرنا۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے میں سب سے زیادہ معاون ''اللہ تعالیٰ سے ملاقات'' کا عقیدہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں مختلف انداز میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ تمہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، اُسی کی طرف اُٹھنا ہے، اُس سے ملنا ہے، تمہیں اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔

ہر جان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ عمل چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے متعلق حساب ضرور دینا پڑے گا۔ رب تعالیٰ کا میزان ایسا ہے کہ اس پر رائی کے برابر عمل بھی تولا جائے گا۔ ارشاد ہوا،

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾

''اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن، تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو''۔ (الانبیاء:۴۷، کنز الایمان)

﴿24﴾

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْ مَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا o

''تم فرماؤ! کیا ہم تمھیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کرناقص عمل کن کے ہیں؟ اُن کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتیں اوراس کا ملنانہ مانا،تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے،تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے''۔(الکہف:۱۰۳-۱۰۵)

وہ کون لوگ ہیں جو عمل کرکر کے تھک گئے اوران کا خیال تھا کہ وہ اپنے اعمال کی جزا پائیں گے مگران کے اعمال باطل ومردود قرار پائے۔ان لوگوں سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک یہود ونصاریٰ اوران کے راہب ہیں۔سیدنا مولاعلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،ان سے مراد خارجی ہیں۔

ان آیات سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جونہ رسول پرایمان لائے نہ قرآن پر،اوروہ آخرت اورحساب وکتاب کے منکر رہے،نیزآج کے وہ روشن خیال بھی جورسمی ایمان رکھتے ہیں اوران کی سوچ یہود ونصاریٰ کی سوچ کی آئینہ دار ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بعض لوگ ایسے اعمال لائیں گے جوان کے خیالوں میں مکہ کے پہاڑوں سے زیادہ بڑے ہونگے لیکن ان میں کچھ وزن نہ ہوگا یعنی انکے اعمال کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

﴿25﴾

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ.

''اور اپنی جان کو ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگھار چاہو گے؟ اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔ اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے''۔ (الکہف:۲۸)

کفار کی ایک جماعت نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں غریبوں مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے۔ اگر آپ ان کو دور کر دیں تو ہم اسلام لے آئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے مگر مخاطبین ہم سب ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ہمارے لیے ایک بات یہ فرمائی گئی کہ اپنا تعلق اللہ والوں کے ساتھ قائم کرو جو صبح و شام اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان نیکوں سے محبت کرو اور ان کی صحبت میں رہو۔ جہاں نگاہ جاتی ہے وہیں دل رہتا ہے اس لیے اپنی نگاہوں کا مرکز انہی صالحین کو بناؤ اور دنیا داروں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ۔

ہمارے لیے دوسری ہدایت یہ ہے کہ ایسے شخص کا کہنا مت مانو جو ہماری یاد سے غافل ہے، جس کی زندگی کا مقصد نفسانی خواہشات کی پیروی ہے اور جو دنیا کے حصول میں حلال و حرام کی تمیز کھو چکا ہے۔ ایسے دنیا پرست کی فکر اور صحبت سے بچو اور رضائے الٰہی کے طلبگار نیک لوگوں کے ساتھ رہو۔

آخری بات یہ کہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچاؤ کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت و اطاعت ہی حق ہے۔ جس حقیقت کو صالحین نے اور پھر تم نے بھی پا لیا، اسے دوسروں تک پہنچانے کی پوری کوشش کرو۔

﴿26﴾

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍo يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِo اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُo يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌo نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِo

''اور کان لگا کر سنو، جس دن پکارنے والا پکارے گا ایک پاس جگہ سے۔ جس دن چنگھاڑ سنیں گے حق کے ساتھ، یہ دن ہے قبروں سے باہر آنے کا۔ بیشک ہم جلائیں اور ہم ماریں اور ہماری طرف پھرنا ہے۔

جس دن زمین ان سے پھٹے گی تو جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے، یہ حشر ہے ہم کو آسان۔ ہم خوب جان رہے ہیں جو وہ کررہے ہیں اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ تو قرآن سے نصیحت کرو اُسے جو میری دھمکی سے ڈرے''۔ (قٓ:۴۱ تا ۴۵)

اُس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور چنگھاڑ سے مراد دوسری بار صور پھونکنے کی آواز ہے جسے سن کر قدرتِ الٰہی سے گلی ہوئی ہڈیاں، بکھرے ہوئے جوڑ، ریزہ ریزہ گوشت اور خاک میں ملے ہوئے بال سب جمع ہو کر پھر سے انسانی وجود میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف چلیں گے۔

﴿27﴾

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِo وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِo وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًاo يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ط يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِo وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِo وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُئْوِيْهِo وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِo كَلَّا ط اِنَّهَا لَظٰىo نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىo تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى o وَجَمَعَ فَاَوْعٰىo

''جس دن آسمان ہوگا جیسے پگھلی چاندی، اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے جیسے اُون، اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا، ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے۔

مجرم آرزو کرے گا، کاش! اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے، اور اپنی بیوی، اور اپنا بھائی، اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے، اور جتنے زمین میں ہیں سب، پھر یہ بدلہ دینا اُسے بچالے۔

ہرگز نہیں، وہ تو بھڑکتی آگ ہے، کھال اُتار لینے والی، بلا رہی ہے اُس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور منہ پھیرا، اور (مال) جوڑ کر سینت رکھا''۔ (المعارج: ۸تا۱۸)

ان آیات میں قیامت کے دن کی بعض ہولناک باتیں بیان ہوئیں ہیں۔ آسمان ایسے ہو جائے گا جیسے پگھلی ہوئی دھات، اور پہاڑ ایسے جیسے دھنکی ہوئی اُون۔ نفسا نفسی کا یہ عالم ہوگا کہ جگری دوست اپنے جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ یہ اس لیے نہیں ہوگا کہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہ ہوگا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے اور پہچاننے کے باوجود حال تک نہ پوچھیں گے کیونکہ ہر کوئی اپنی فکر میں گرفتار ہوگا۔

مجرم چاہے گا کہ کاش آج مجھے عذاب نہ ہو خواہ میرے بدلے میں میری لاڈلی اولاد، پیاری بیوی، جاں نثار بھائی بلکہ سارا خاندان اور تمام لوگ جہنم میں ڈال دیے جائیں، بس کسی طرح میں بچ جاؤں۔ ناممکن، ہرگز نہیں۔ آج وہ دن ہے کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ جس نے جو کیا، وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

غور کیجیے آج جن پیاروں کی خوشی کی خاطر بندہ حلال وحرام میں فرق بھول جاتا ہے، اپنے رب کی عبادت کو فراموش کر دیتا ہے، کل قیامت کا عذاب دیکھ کر اپنے بدلے میں انہی پیاروں کو جہنم میں ڈالنے کی خواہش کرے گا۔ کاش کہ ہم آج یہ سمجھ لیں اور کسی کی دنیا کی خاطر اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

پھر فرمایا گیا، کھال اُتار لینے والی آگ اُسے بلا رہی ہے جس نے ہدایت سے منہ

پھیرا، اور خوب مال جمع کیا مگر مال کے شرعی حقوق ادا نہ کیے۔

قیامت کا دن کافر کو اس کی شدت کی وجہ سے پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا جبکہ مومن کو وہ دن اس قدر ہلکا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت۔

﴿28﴾

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ o طَعَامُ الْاَثِیْمِ o كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ o كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ o خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ o ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ o ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ o اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ o (الدخان:۴۳-۵۰)

''بیشک تھوہڑ کا پیڑ گناہگاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے، جیسے کھولتا پانی جوش مارے، (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ (اور کہو) چکھ! ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا، کرم والا ہے۔ بیشک یہ ہے وہ (عذاب) جس میں تم شبہ کرتے تھے''۔ (کنز الایمان)

ابوجہل، نبی کریم ﷺ کی دعوت کو جھٹلاتا اور کہا کرتا، میں بڑا عزت والا، کرم والا ہوں۔ قیامت میں اُسے گھسیٹتے ہوئے آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور اس کے سر پر تیز گرم کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس کی مزید توہین اور تذلیل کے لیے عذاب دیتے وقت اُسے یہ کہا جائے گا، ''ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا، کرم والا ہے''۔

ان آیات میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو اپنے سوشل اسٹیٹس، نام و نمود اور اپنے بڑے پن کی وجہ سے ہدایت قبول کرنے سے منہ موڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے بندے کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے نہ یہ کہ وہ تکبر کرے اور اس آیت کا مصداق بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَاِذَاقِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ﴾ (البقرۃ:۲۰۶)

''اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے، اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے''۔ (کنزالایمان)

﴿29﴾

یَتَسَآءَ لُوۡنَo عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ o مَاسَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَo قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ o وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ o وَکُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ o وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِo حَتّٰۤی اَتٰنَا الۡیَقِیۡنُo

''پوچھتے ہیں مجرموں سے، تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی؟ وہ بولے، ہم نماز نہ پڑھتے تھے، اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے، اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے، اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے، یہاںتک کہ ہمیں موت آئی''۔

(المدثر:۴۰تا۴۷)

جنتی لوگ دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی سزا میں دوزخ میں ڈالے گئے ہو؟ جہنمی اپنے چار جرائم کا اعتراف کریں گے۔

ایک یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوم یہ کہ وہ کسی غریب مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ سوم یہ کہ وہ بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ باتوں میں شریک ہوتے تھے۔ چہارم یہ کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔

نماز سے غفلت، مسکین کی حاجت پوری نہ کرنا، بیہودہ اور فحش باتوں میں شریک ہونا نئی نسل میں کینسر کی طرح پھیل رہا ہے، رہی سہی کسر مغرب زدہ میڈیا، انٹرنیٹ اور موبائیل فون نے پوری کر دی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان گناہوں سے خود کو اور اپنے گھر والوں کو بچائیں۔

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ o فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ مَاجَآءَ تْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ o ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ط وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ o

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو، اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس روشن حکم آ چکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ کس کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں، اور فرشتے اتریں، اور کام ہو چکے۔ اور سب کاموں کا رجوع اللہ کی طرف ہے''۔ (البقرۃ:۲۰۸ تا ۲۱۰)

ولیٔ کامل استاذی ومرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

اہلِ کتاب میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ایمان لانے کے بعد شریعتِ موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے۔ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے، اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے۔ یہ سوچ کر کہ یہ اسلام میں مباح ہیں، ان کا کرنا ضروری نہیں جبکہ توریت میں ان سے بچنا لازم ہے۔ اس لیے توریت پر بھی عمل ہو جائے گا اور یہ اسلام کی مخالفت بھی نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ توریت کی موافقت میں چند مباح چیزوں کو چھوڑنے پر جب اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو نہ صرف اسلام کے فرائض وواجبات ترک کرتے ہیں بلکہ حرام کاموں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ یہود ونصاریٰ اور ہندوؤں کی مشابہت وپیروی کرنے پر علانیہ فخر بھی کرتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا بنیادی تقاضا ہر باطل و طاغوت سے بیزاری کا اعلان اور کامل طور پر دینِ اسلام میں داخل ہونا ہے۔(فلاحِ دارین:۶۴)

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ۔ جو اسلام میں پورا داخل نہیں ہوتا، وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ یہ کیسے مسلمان ہیں کہ عبادات کا معاملہ ہو تو اسلام، اور معاشی نظام ہو تو سودی۔ ثقافت کی بات ہو تو بے حیائی، ناچ گانا، مراثی خانہ۔ کس قدر منافقت ہے۔

جو ملک اسلام کے نام پر بنا، لاکھوں مسلمانوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں، 1973 کے متفقہ آئین میں تحریر ہے کہ ملک کا کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اسلام کے قوانین اور اسلامی اقدار و اخلاق کو علانیہ پامال کیا جائے، کیا یہ سب عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟؟؟

آخری آیت میں فرمایا گیا، شیطان کی فرمانبرداری کرنے والے کس بات کے انتظار میں ہیں سوائے اس کے کہ اللہ کا عذاب آجائے۔ نعوذ باللہ منہ۔

﴿31﴾

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًاO اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ م بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًاO وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًاO لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًاO قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًاO لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ط كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًاO

''بلکہ یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں، اور جو قیامت کو جھٹلائے، ہم نے اس کے لیے

تیار کررکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی توسنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب اس کی کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں گے۔فرمایا جائے گا،آج ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو۔

تم فرماؤ! کیا یہ (عذاب) بھلا،یا وہ ہمیشگی کے باغ جس کا وعدہ ڈر والوں کو ہے،وہ ان کا صلہ اور انجام ہے۔ان کے لیے وہاں من مانی مرادیں ہیں،جن میں ہمیشہ رہیں گے،تمہارے رب کے ذمہ وعدہ ہے،مانگا ہوا''۔(الفرقان:۱۱تا۱۶،کنزالایمان)

ان آیات میں منکروں کے لیے دوزخ کے بعض عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ وہ آج توبہ کرکے اپنے آپ کو ان مصائب وتکالیف سے بچالیں۔ جب انہیں زنجیروں میں جکڑ کر غصہ سے چنگھاڑتی ہوئی دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ہر ایک تکلیف سے چلائے گا،ہائے تباہی! ہائے موت آجا۔ان سے کہا جائے گا،ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو کیونکہ جہنم میں تم کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا کیے جاؤ گے۔

پھر آخرت کے منکروں سے پوچھا جارہا ہے کہ جہنم اور اس کا عذاب بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ ہے،جس میں جو وہ چاہیں گے وہ نعمت عطا ہوگی۔ یہ اللہ کا پکا اور سچا وعدہ ہے،اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

﴿32﴾

وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًاo اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِنِ الۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ط وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًاo وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًاo يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًاo لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَ نِىۡ ط وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًاo (الفرقان:۲۵تا۳۰)

''اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں سے، اور فرشتے اتارے جائیں گے پوری طرح۔ اُس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے، اور وہ دن کافروں پر سخت ہے۔

اور جس دن ظالم اپنا ہاتھ (ندامت سے) چبا ڈالے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری! ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اُس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت سے، اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے''۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض حالات کی منظر کشی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح ظالم اور گمراہ لوگ اُس دن پچھتائیں گے۔ ظالم کہے گا، کاش! میں رسول پر ایمان لایا ہوتا اور میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اس نے مجھے گمراہ کر دیا۔

معلوم ہوا کہ دوستی عقائد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مومن کو دوست بناتے وقت ضرور دیکھنا چاہیے کہ وہ صحیح العقیدہ مومن ہی سے دوستی کرے۔ بدمذہب اور گمراہ سے دوستی گناہ ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا اُسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

آقائے دو جہاں ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، ''آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے''۔ (بخاری) جو بھی رسولِ معظم ﷺ کی بارگاہ کے گستاخوں اور بدمذہبوں سے دوستی کریں گے، وہ قیامت میں مذکورہ صورتحال کا شکار ہونگے۔

﴿33﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًاo خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا. لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًاo يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا o وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا

السَّبِيْلَاo رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًاo

''بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔اس میں ہمیشہ رہیں گے،اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔

جس دن اُن کے منہ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں گے،کہتے ہونگے،ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا،اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

اور کہیں گے،اے ہمارے رب! ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔اے ہمارے رب! انہیں آگ کا دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر''۔(الاحزاب:٦٤ تا ٦٨)

ان آیات میں رب تعالیٰ نے کافروں پر لعنت اور بھڑکتی آگ کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔دنیا میں وہ عذاب وثواب کا انکار کرتے تھے، اب وہی عذاب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

جب ان کے چہرے اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں گے اُس وقت نہایت حسرت سے کہیں گے،ہائے کاش! ہم نے دنیا میں اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی تو آج ہم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔

پھر وہ اپنے گمراہ کرنے والے مذہبی پیشواؤں اور بڑوں کو کوسیں گے کہ انہوں نے ہمیں اصلاح کی آڑ میں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔پھر کہیں گے،یارب! انہیں دگنا عذاب دے،اور ان پر زیادہ لعنت کر۔

دین کی آڑ میں اور اصلاحِ عقائد کے نام پر گمراہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو راہِ حق سے بہکانے میں مصروف ہیں لہٰذا ہر ''ڈاکٹر'' یا ''مولانا'' سے دین نہیں سیکھنا چاہیے جب تک کہ اس کے صحیح العقیدہ مومن ہونے کی تحقیق نہ کر لی جائے۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،''بیشک یہ علم دین ہے۔پس تم دیکھ لو کہ تم

دین کس سے سیکھ رہے ہو''۔(صحیح مسلم)

34

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌo وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا. فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِo خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo

''اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں، بے سمجھے، اور اسے ہنسی مذاق بنالیں۔ اُن کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لے جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اُس کے دونوں کان بہرے ہیں، تو اُسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، اُن کے لیے چین کے باغ ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور وہی عزت وحکمت والا ہے''۔(لقمٰن:٦-٩)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ''ہر وہ بات ''لَهْوَ الْحَدِيْثِ'' ہے جو تجھے اللہ کی عبادت اور اسکے ذکر سے غافل کردے''۔(تفسیر روح المعانی)

شیخ التفسیر مفتی سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

''لہو یعنی کھیل ہر اُس باطل چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کو نیکی سے اور کام کی باتوں سے غفلت میں ڈالے۔ کہانیاں، افسانے اسی میں داخل ہیں''۔(خزائن العرفان)

پھر ظاہر ہے کہ ڈرامے، فلمیں، ریسلنگ اور ایسے کھیل جن میں کئی کئی گھنٹے آدمی نماز اور دیگر نیک کاموں سے غافل رہتا ہے، یہ سب بھی ''لَهْوَ الْحَدِيْثِ'' یعنی ''غافل کردینے والی باتوں'' میں داخل ہیں۔ بعض اکابر صحابہ کرام اور تابعین عظام

نے ''لَھُوَ الْحَدِیْث'' کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے۔ (حاکم، بیہقی)

نضر بن حارث مکہ کا ایک کافر تاجر تھا جو گانے بجانے والی لونڈیاں لیکر آیا تھا۔ جو لوگ قرآن سننا چاہتے وہ لونڈیوں سے انہیں گانے سنواتا اور اس طرح لوگوں کو قرآن سے دور کیا کرتا تھا۔ کیا آج کا میڈیا ''نضر بن حارث'' کا کردار ادا نہیں کر رہا؟ فکر کیجیے کہ کہیں ہم بھی تو اسی کے جال میں گرفتار نہیں؟

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، میری امت کے کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پئیں گے۔ وہ باجوں اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

آج ایک سازش کے ذریعے نوجوان نسل کو فحاشی و عریانی کا خوگر اور عیش و نشاط کا دلدادہ بنایا جارہا ہے۔ ثقافت کے نام پر کثافت پھیلائی جارہی ہے۔ نوجوانوں اور بچوں تک کے پاکیزہ ذہنوں کو بے حیائی کی گندگی سے آلودہ کیا جارہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکومتی سرپرستی میں ہورہا ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''بیشک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اگر کوئی ان آیات کو جان کر بھی اپنے حال کی اصلاح کرنے پر آمادہ نہ ہو تو کیا وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب سہنے کے لیے تیار ہے؟؟؟

﴿35﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِo اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌo مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌo وَجَآءَ تْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُo وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ o وَجَآءَ تْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌo لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌo

''اور بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے، اور ہم دل کی رگ سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔ اور جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

اور آئی موت کی سختی، حق کے ساتھ، یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا گیا، یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن۔ اور ہر جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ۔ بیشک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا، تو آج تیری نگاہ تیز ہے''۔ (قٓ:۱۶ تا ۲۲)

ہر انسان کے ساتھ ہر وقت دو فرشتے رہتے ہیں جو اس کے نیک و بد تمام اعمال لکھتے ہیں۔ نبی مکرم نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے،

نیکیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں کندھے پر جبکہ برائیاں لکھنے والا فرشتہ بائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امیر ہوتا ہے۔ جب انسان اچھا عمل کرتا ہے تو دائیں کندھے والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے اور جب انسان کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں کندھے والا بائیں کندھے والے فرشتے کو کہتا ہے، سات گھنٹے تک اس کی برائی نہ لکھو، شاید یہ اللہ کی تسبیح کرے اور استغفار کرلے۔ (بیہقی، تفسیر مظہری)

موت کے وقت جان کنی کے آثار دیکھ کر ہر کوئی اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ

بہر حال اس زندگی کا اختتام ہے، اس وقت منکر کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی کیونکہ موت حق اور سچ بن کر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ پھر قیامت کے دن دو فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے، ایک ہانکنے والا اور دوسرا اسکے اعمال کا گواہ۔

آخری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اِس آخرت سے دنیا میں غافل تھے یعنی اُس وقت تم اِسے اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ آج ہم نے پردہ اٹھا دیا ہے تو تمہاری نگاہ دیکھنے کے قابل ہوگئی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ دنیا کی زندگی کی مثال خواب کی سی ہے اور آخرت کی مثال بیداری کی ہے۔ جب آدمی خواب دیکھتا ہے تو اسے آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے باہر کچھ نظر نہیں آتا۔

اسی طرح دنیا کی زندگی میں آدمی کو آخرت کی کوئی چیز نظر نہیں آ سکتی مگر جیسے ہی اس کی ظاہری آنکھیں بند ہوتی ہیں، خواب کا عالَم ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ حقیقی بیداری میں آخرت کی سچائیوں کو دیکھتا ہے۔ علماء کا بصیرت افروز ارشاد ہے، دنیا کی زندگی میں سب انسان سو رہے ہیں، جب موت آئے گی تو بیدار ہو جائیں گے۔

﴿36﴾

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌo فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْo اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْo فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍo فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍo قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌo كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِo وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْo وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْo يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَo مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْo هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْo خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُo ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُo ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُo

''اُس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔ تو وہ

جو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، کہے گا، لو میرے نامۂ اعمال پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ تو وہ پسندیدہ چین میں ہے۔ عالیشان باغ میں، جس کے خوشے جھکے ہوئے۔ کھاؤ اور پیو، مزے کرو، صلہ اُس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔

اور وہ جو اپنا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، کہے گا، ہائے کسی طرح مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا۔ اور میں نہ جانتا کہ حساب کیا ہے۔ ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی۔ میرے کچھ کام نہ آیا میرا امال۔ میرا سب زور جاتا رہا۔

(فرشتوں کو حکم ہوگا) اسے پکڑو، پھر اسے طوق ڈالو۔ پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ۔ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے، اسے پَرو دو"۔

(الحاقۃ: ۱۸ تا ۳۲)

پہلی بات یہ واضح ہوئی کہ قیامت کے دن کوئی شخص حساب دینے سے چھپ نہیں سکتا۔ پھر مومن کے احوال بیان ہوئے جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اور وہ جنت میں اپنی پسند کی نعمتیں پائے گا۔ اسے کہا جائے گا، اب کھاؤ پیو اور مزے کرو کیونکہ تم نے دنیا میں اپنی خواہشات کو میرے حکم کے تابع کر دیا تھا۔

بد بخت ہوگا وہ جس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ چیخے گا اور واویلا کرے گا، ہائے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا، کاش موت ہی میرا قصہ تمام کر دیتی اور میں حساب کے لیے زندہ نہ کیا جاتا۔ میرا مال و دولت کہاں گیا، میری قوت، میرا اقتدار اور میرے جاں نثار کہاں گئے، آج کوئی بھی مجھے بچانے والا نہیں۔

پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے ملا کر طوق میں باندھ دو اور اسے جہنم کی آگ میں پھینک دو۔ پھر ستر گز لمبی زنجیر اس کے جسم میں ایسے داخل کر دو جیسے کسی چیز میں ڈورا پرو دیا جاتا ہے، اور پھر اسے آگ میں لٹکا دو۔

رب کریم ہمیں آج ایسے کام کرنے کی توفیق دے کہ کل ہمارا نامۂ اعمال ہمیں دائیں ہاتھ میں ملنا نصیب ہو، آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ۔

﴿37﴾

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط

''اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت طاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو، وہی کرتے ہیں۔ اے کافرو! آج بہانے نہ بناؤ، تمہیں وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔ اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے''۔ (التحریم:٦ تا ٨)

پہلے ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی بات تو سمجھ میں آ گئی۔ یہ فرمایئے کہ ہم اپنے گھر والوں کو جہنم سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، انہیں جہنم سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے تمہیں منع فرمایا ہے، اُن کاموں سے اپنے گھر والوں کو بھی منع کرو۔ اور جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے، ان کے کرنے کا اپنے گھر والوں کو بھی حکم دو۔ (تفسیر روح المعانی)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو دینی علم

سکھانے کا اہتمام کرے، انہیں فرائض وواجبات اور حلال وحرام کے احکام سکھائے، اور پھر اس دینی علم پر عمل کرانے کی بھرپور کوشش کرے۔ تعلیم کے ساتھ دینی تربیت بھی والدین اور بڑوں کی ذمہ داری ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، ''کسی والد نے اپنی اولاد کو اچھے آداب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا''۔ ایک اور جگہ فرمایا، ''جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ، اور اسی عمر سے ان کے بستر علیحدہ کردو''۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ اُس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے، ''اے میرے بیوی بچو! تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم، تمہارے پڑوسی''۔ امید ہے کہ رب تعالیٰ ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا۔

یعنی تم اپنی نماز، اپنے روزے، اپنی زکوٰۃ وغیرہ کا خیال رکھو اور مسکین، یتیم اور پڑوسی کے شرعی حقوق ادا کرو۔ اگلی آیت میں کفار کو خطاب ہے کہ اب تمہارا ٹھکانا جہنم تمہارے سامنے ہے، لہٰذا اب تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

پھر ایمان والوں کو سچی توبہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ سچی توبہ وہ ہے جس میں تین باتیں ہوں۔ بندہ اُس گناہ کو چھوڑ دے، اُس گناہ پر شرمندگی محسوس کرے، اور پختہ عزم کرے کہ پھر وہ گناہ نہیں کرے گا۔

نبی کریم ﷺ نے توبۃ النصوح کے متعلق ارشاد فرمایا،

''جو گناہ بندے سے ہوا، اُس پر شرمندہ ہو، رب تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے، پھر وہ گناہ اس سے صادر نہ ہو جس طرح بکری کے تھن سے دودھ نکل آئے تو پھر دوبارہ اس تھن میں داخل نہیں ہوسکتا''۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَo وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَo بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَo

''تم فرماؤ! تو کیا اللہ کے سوا دوسرے کے پوجنے کو مجھ سے کہتے ہو اے جاہلو!۔ اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار (نقصان) میں رہے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں میں سے ہو''۔ (الزمر: ٦٤ تا ٦٦)

شرک کی طرف بلانے والوں کو جاہل اس لیے فرمایا کہ انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگلی آیت سے واضح ہے کہ تمام انبیاء کی طرف وحی ہوئی کہ اگر کوئی کسی کو اللہ کا شریک کرے گا تو اس کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ نقصان میں رہے گا۔

شرک کا مفہوم سمجھ لیجیے۔ شرک کے شرعی معنی ہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک یا ہمسر ماننا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجبُ الوجود یا معبود سمجھنا یا کسی مخلوق کی کوئی صفت مستقل بِالذات ماننا۔ واجبُ الوجود کا مطلب ہے، جس کا وجود ہر حال میں ضروری ہو، یعنی جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔

شرک کے متعلق علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی رحمہ اللہ (م ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں،

اَلْاِشْرَاکُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنَی اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

یعنی ''شرک یہ ہے کہ کوئی اُلوہیت میں کسی کو شریک کرے جیسا کہ مجوسی اللہ تعالیٰ کے سوا واجبُ الوجود مانتے ہیں یا عبادت کا مستحق ہونے میں کسی کو شریک کرے جیسا

کہ بت پرست کرتے ہیں''۔(شرح عقائد نسفی :۱۶)

عموماً کہا جاتا ہے کہ'' اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی مخلوق میں ماننا شرک ہے''، یہ بات درست نہیں۔قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدد صفات بندوں کی طرف کیوں منسوب فرمائی ہیں۔مثلاً سمیع ،بصیر، حی ،علیم ، رؤف، رحیم ،حفیظ ، ولی ،علی ،غنی ، عظیم ،شکور ،نور ، شھید ،کریم ،حلیم ،عزیز ،خبیر ،قوی ، الملک ، الحق ،المبین وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا مشہور صفاتی نام''رب'' ہے۔قرآن مجید میں پانچ جگہ یہ صفت بندوں کے لیے بیان ہوئی ہے۔جب بندے کو مجازاً''رب'' کہہ دینا شرک نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے تو پھر سید علی ہجویری کو داتا اور گنج بخش کہنا،سید عبد القادر جیلانی کو دستگیر اور غوثِ اعظم کہنا اور خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ کو غریب نواز کہنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں کوئی صفاتی نام بھی داتا ، گنج بخش ، غوثِ اعظم ، دستگیر یا غریب نواز نہیں ہے۔

ایک اور مثال لیجیے۔سب لوگ اپنے عالم کو''مولانا'' کہتے ہیں جس کا معنی ہے، ''ہمارا مددگار''۔یہ کہنا کسی کے نزدیک بھی شرک نہیں اور نہ ہی کوئی اسے ﴿اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن﴾ کے منافی سمجھتا ہے جبکہ قرآن میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان ہوئی ہے۔

﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾ ''تو ہمارا مددگار ہے''۔(البقرۃ:۲۸۶)

﴿هُوَ مَوْلٰنَا﴾ ''وہ ہمارا مددگار ہے''۔(التوبۃ:۵۱)

اور ایک جگہ جبریل علیہ السلام اور صالحین کے لیے یہی صفت بیان ہوئی ہے۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التحریم:۴)

''بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے''۔(کنز الایمان)

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے،﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ﴾

''جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے''۔(ترمذی ابواب المناقب)

یہ حدیث صحیح ہے اور اسے تیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔اس مثال سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ مددگار ہے، جبریل علیہ السلام مددگار ہیں، مولا علی رضی اللہ عنہ مددگار ہیں اور اولیاء کرام بھی مددگار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی اور مجازی طور پر کسی مخلوق کے لیے ماننا شرک نہیں کیونکہ قرآن حکیم میں واضح طور پر یہ اصول موجود ہے،

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ''اللہ بے نیاز ہے''۔(الاخلاص:۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور اپنی صفات میں کسی کا محتاج نہیں۔اس کی تمام صفات ذاتی ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ جبکہ ہر مخلوق اپنے وجود اور اپنی صفات میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور اس کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور ممکن ہے یعنی عارضی اور فانی ہے۔

صفات میں شرک تو جب ہوگا کہ کوئی، مخلوق کی کسی صفت کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت قرار دے یعنی مخلوق کی کسی صفت کو ذاتی، قدیم اور لامحدود سمجھے۔اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کا شبہ کرنا یقیناً کسی صاحبِ عقل ودانش کو زیب نہیں دیتا۔

''توحید اور شرک'' کے عنوان سے اس فقیر نے 240 صفحات کی مدلل کتاب لکھی ہے، اہلِ ذوق حضرات ضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

﴿39﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ o اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ o

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے کی آواز سے، اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے چُن لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے''۔

شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اونچا سننے کا مرض تھا اس لیے بات کرتے ہوئے ان کی آواز بلند ہو جایا کرتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ گھر بیٹھ گئے اور کہنے لگے، میں جہنمی ہو گیا۔ آقا کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا، نہیں بلکہ وہ تو جنتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان سے فرمایا، کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو پسندیدہ زندگی گزارے، شہادت کی موت پائے اور جنت میں داخل ہو۔

فطری بات ہے کہ جب تک کسی سے محبت نہ ہو اور اس کی عظمت کا احساس دل میں نہ ہو، اس وقت تک اس کی تعظیم و ادب کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے محبت کو ایمان کی پہلی شرط قرار دیا اور ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔

﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ ''اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو''۔ (الفتح:۹)

یہ بھی عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک روشن پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے آداب خود قرآنِ عظیم میں بیان فرمائے۔ یہانتک کہ اس آیت مبارکہ میں بارگاہِ نبوی میں آواز اونچی کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر آواز بلند کرنے کی بے ادبی تم سے سرزد ہو گی تو تمہارے تمام اعمال برباد کر دیے جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو گا۔

معلوم ہوا کہ دو گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے نامۂ اعمال کی تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ایک شرک اور دوسرا بارگاہِ رسالت میں بے ادبی۔ غور کیجیے کہ یہ دوسرا گناہ

پہلے گناہ سے بھی بڑا ہے اس لیے اس کی اضافی سزا یہ ہے کہ اعمال برباد ہو جائیں گے اور اس کا احساس تک نہ ہو گا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام سے ہو رہا ہے جن کا ایمان بے مثل، جن کی عبادات بے مثال، جن کی دینداری لاجواب۔

افسوس! آج بعض لوگ اپنے علم و عبادت پر ناز کرتے ہوئے حضور ﷺ کے کمالات و اوصاف میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اور ان کے علم و اختیار، حیات بعد از وصال اور شاہد و شہید یعنی حاضر و ناظر ہونے کے متعلق نازیبا زبان استعمال کرتے ہیں۔ انہیں ان کی تنگ نظری کا احساس بھی دلایا جائے تو باطل تاویلوں کے ذریعے گمراہی پر مصر رہتے ہیں۔

اگر آج انہیں یہ شعور ہو جائے تو توبہ کر کے سچے مومن بن جائیں لیکن یہ سزا ہے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی کہ انہیں شعور و احساس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

معارفُ القرآن میں اس آیت کے تحت تحریر ہے، ''اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا تمام اعمالِ خیر کو برباد کر دینے والا ہے''۔ (جلد ۸ ص ۹۸)

پھر ایمان سے کہیے کہ آواز کا اونچا ہو جانا بڑی گستاخی ہے یا حضور ﷺ کی حیات بعد از وصال، علمِ غیب اور تصرف و اختیار کا انکار جس پر متعدد آیات و احادیث گواہ ہیں۔ سوچیے کیا حضور کے والدین کے ایمان کا انکار ان کے لیے ایذا کا باعث نہیں؟

بندہ یہ سمجھے گا کہ میں تو نمازی ہوں، میں روزہ دار ہوں، میں نے دین کی بڑی محنت کی ہے، میں بڑا عالم اور عابد و زاہد ہوں۔ جب قیامت میں نامۂ اعمال ملے گا تو معلوم ہو گا کہ اس کی تمام نیکیوں کو بے ادبی اور گستاخی کے گناہوں کے سبب برباد کر دیا گیا ہے۔ اُس وقت ظالم پچھتائے گا مگر اُس وقت کا پچھتانا کسی کام نہ آئے گا۔

اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام نہایت آہستہ آواز میں گفتگو کیا کرتے، انکے لیے دلوں کا تقویٰ، مغفرت اور عظیم ثواب کی خوشخبری سنا دی گئی۔

﴿40﴾

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىo وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىo بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَاo وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰىo اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰىo صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰىo (الاعلیٰ:۱۴تا۱۹)

''بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔ بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔ بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں''۔ (کنز الایمان)

جس نے اپنے عقائد کو شرک کی نجاست سے اور اپنے اعمال کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کیا، اور اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، وہ فلاح پا گیا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ کا معنی یہ ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اور اللہ کے شرکاء کو دل سے باہر نکال دے، اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے (وہ کامیاب ہوگیا) اور ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ سے مراد پانچوں نمازوں کی پابندی کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت یعقوب چرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان آیات میں منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی منزل توبہ وتزکیہ کی ہے کہ انسان برائیوں سے توبہ کرے اور خود کو پاک کرے۔ اس کی طرف ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ اشارہ کرتا ہے۔

دوسری منزل زبان، دل، روح اور سر سے دائمی ذکر کرنا ہے جس پر رب تعالیٰ کا فرمان ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ دلیل ہے۔ تیسری منزل مشاہدہ کی ہے جس کی طرف ﴿فَصَلّٰى﴾ دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز مومنوں کی معراج ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے، ''نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔ (مظہری)

حق یہی ہے کہ قرآنی نصیحتوں سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب حاضر چاہیے

جس میں پلک جھپکنے کے برابر بھی غفلت نہ آئے۔

''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو'' حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم آخرت کو ترجیح دو۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ﴿خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی﴾ ایک یہ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور دوسری یہ کہ دنیا فانی ہے جبکہ آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بہتر اور دائمی چیز کو اپنایا جائے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی عام وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت نقد اور نگاہوں کے سامنے حاضر ہے جبکہ آخرت کی نعمت اُدھار اور نگاہوں سے غائب ہے۔ حقیقت سے جاہل لوگ نقد کو اُدھار پر اور حاضر کو غائب پر ترجیح دیتے ہیں اور خسارہ پاتے ہیں کیونکہ جس چیز کو نقد سمجھ کر ترجیح دیتے ہیں وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں غائب ضرور ہیں مگر بہتر اور دائمی ہیں۔ یہ فرمانبرداروں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تعلیمات تھیں؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا،

''ان میں عبرت آموز باتیں تھیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

تعجب ہے اُس پر جس کو مرنے کا یقین ہے پھر بھی وہ خوشیاں مناتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے جہنم پر یقین ہے پھر بھی وہ ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس پر جسے تقدیر پر یقین ہے پھر بھی وہ دنیا کمانے کے لیے پریشان رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو دنیا اور اس کے نشیب و فراز دیکھتا ہے پھر بھی وہ دنیا کے حصول کو اپنا مقصدِ حیات بناتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے حساب و کتاب پر یقین ہے پھر بھی نیک عمل نہیں کرتا''۔

پھر راوی نے پوچھا، کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس وحی میں آئی؟ فرمایا، ہاں۔ یہ آیتیں پڑھ لو، ﴿قَدْ اَفْلَحَ سے آخر سورت تک﴾۔ (قرطبی)

باب سوم

فکرِ آخرت، حدیث کی روشنی میں:

زندگی میں ہم جو بھی کام کرتے ہیں، اس کی اہمیت کے لحاظ سے اسے دوسرے کاموں پر فوقیت اور ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لیے مناسب وقت نکالتے ہیں۔ جس کام کے متعلق ہمیں یقین ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لیے زیادہ نفع کا باعث ہوگا، اس کام کو ہم اُسی قدر زیادہ توجہ کے ساتھ زیادہ وقت دیتے ہیں۔

دین کے حوالے سے دیکھا جائے تو دین میں بھی تمام نیک اعمال ایک درجے کے نہیں ہیں۔ بعض فرض ہیں اور بعض واجب، بعض سنت مؤکدہ ہیں اور بعض مستحب۔ بعض اعمال کا درجہ بہت بلند ہے جبکہ بعض اعمال اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ سے محبت کی علامت ہیں۔ دنیا فانی جبکہ آخرت دائمی ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے زیادہ فکر آخرت کی ہونی چاہیے جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔

ایمان کے بعد انسان کے افکار و اعمال کی اصلاح میں سب سے اہم کردار خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا ہے۔ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے تو جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکوٰۃ وغیرہ عنوانات نظر آتے ہیں، اسی طرح ایک عنوان ''کتاب الرقاق'' کا ملتا ہے جس میں وہ احادیث درج ہوتی ہیں جن سے دل میں سوز و گداز پیدا ہو اور رقت طاری ہو، نیز دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور آخرت کی فکر بیدار ہو جائے۔

اگر حبیبِ کبریا ﷺ کے ارشادات پر کامل ایمان رکھتے ہوئے، دل کی آنکھوں سے ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اس کے نتیجے میں دنیا اور نفسانی خواہشات سے محبت کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت اور اطاعت کو اپنی زندگی کا مقصدِ حیات بنا لینا آسان ہو جاتا ہے۔

گویا یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انسان کے افکار ونظریات اور اس کے سیرت و کردار کا رُخ بدلنے کے لیے سب سے مؤثر اور طاقتور احادیث کے مجموعے کو ''کتاب الرقاق'' کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اُسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اُسے بھی جس سے محبت نہیں کرتا، لیکن دین صرف اُسی کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے دین عطا کیا ہے، اُسے پسند فرمایا ہے''۔
(مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔ (بخاری، مسلم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو شاد و آباد رکھے جو میری بات سنے، پھر اسے یاد کر کے محفوظ کرلے اور دوسروں تک پہنچائے۔ بہت سے لوگ دینی علم کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے دینی علم کے حامل لوگ میری بات کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

خوش نصیب ہیں وہ جو آقا و مولیٰ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو سنتے یا پڑھتے ہیں اور پھر اپنے سینوں میں محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور جانِ کائنات ﷺ کی مذکورہ دعا ''اللہ اُسے شاد و آباد رکھے'' کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

زیرِ نظر باب میں مشکوۃ شریف اور دیگر مستند کتب سے احادیث پیشِ خدمت ہیں، آقا کریم ﷺ کی احادیث کے نور سے اپنے سینوں کو روشن فرمائیے۔

﴿01﴾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا،

''دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر۔ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو (یعنی غافل نہ رہو اور متواتر نیکیاں کرتے رہو)، اپنی صحت کے دنوں میں اپنی موت کے بعد کے لیے کچھ (نیکیاں جمع) کرو اور اپنی زندگی کو موت کے لیے غنیمت سمجھو''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

جس طرح مسافر اور راہگیر راستے میں کہیں دل نہیں لگاتے اور نہ ہی اپنے سامانِ سفر سے غافل ہوتے ہیں بلکہ اپنی منزل تک پہنچنے کی فکر میں رہتے ہیں، ہمیں بھی اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی حفاظت کرتے ہوئے آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں نبی کریم ﷺ کی محبت واطاعت میں زندگی گزارتے ہوئے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہماری منزل ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ قیمتی ہے، اسے یوں ہی بیکار و بے مقصد اور گناہ کے کاموں میں گنوا دینا حماقت ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے،

''مومن کے ایمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار چیزوں کو چھوڑ دے''۔ (ترمذی)

پس ہمیں اپنی زندگی کو رب تعالیٰ کی بندگی میں صَرف کرنا چاہیے۔

﴿02﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ نقصان میں ہیں۔ وہ ہیں، صحت اور فراغت''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

صحت و تندرستی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ صحت کی قدر و قیمت اُن بیماروں سے

پوچھیے جو لا علاج اور موذی امراض میں مبتلا ہیں۔انسان چونکہ ناشکرا ہے اس لیے اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا اور اسے رب تعالیٰ کی عبادت میں صَرف کرنے کی بجائے غفلت اور کھیل تماشے میں گزار دیتا ہے۔

اسی طرح انسان کو اس کے ضروری کاموں سے فارغ وقت کا میسر آ جانا یا اس کا پریشانیوں سے فارغ رہنا، یہ بھی رب کریم کی بڑی نعمت ہے۔آج ہمارے پاس فارغ وقت ہو تو ہم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پر بیٹھ کر برباد کر دیتے ہیں یا پھر ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فحش گانے ،ڈرامے اور فلمیں یا ''ٹاک شوز'' دیکھنے میں گنوا دیتے ہیں۔

مزید ستم یہ کہ موبائیل کمپنیوں نے پورا گھنٹہ بات کرنے کے نہایت سستے پیکیج دے کر وقت برباد کرنے کا ایک اور ''نادر'' موقع دیا ہوا ہے۔کاش کہ ہم ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں استعمال کریں۔

ہم مسلمان ہیں۔ہم پر پانچ نمازیں ادا کرنا اور دین کا علم سیکھنا فرض ہے۔ہم کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں،ہمیں ان فرائض کے لیے بہرصورت وقت نکالنا چاہیے۔ افسوس کہ ہم اپنی نام نہاد ''مصروفیات'' کی وجہ سے یہ فرائض ادا نہیں کرتے اور اپنا قیمتی وقت گناہ کے کاموں میں برباد کر دیتے ہیں یا پھر غفلت کے ساتھ بیکار کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔کل قیامت کے دن جب نعمتوں کا حساب ہو گا تو صحت اور فراغت کے سبب اکثر لوگ نقصان اُٹھائیں گے۔

﴿03﴾

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، مفلسی سے پہلے امیری کو، مصروفیت سے پہلے فرصت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔'' (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث مبارکہ میں آقا و مولیٰ ﷺ نے پانچ نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جو اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ کی محبت و اطاعت کے حصول کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ بڑھاپے کی کمزوریاں آنے سے پہلے جوانی کی قوت سے، بیماری کی مجبوریوں سے قبل صحت و تندرستی سے، مفلس ہونے سے قبل مالداری سے، مصروفیت اور پریشاں حالی آنے سے قبل فراغت سے اور موت آنے سے قبل زندگی کے ہر ہر لمحہ سے فائدہ اُٹھا لینا ہی عقل مندی ہے۔ کیونکہ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ آج ہم جو نیک اعمال کر سکتے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ کل ان کو کرنے پر قدرت حاصل رہے گی یا نہیں۔

زندگی برف پگھلنے کی طرح تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہر گزرنے والا دن زندگی سے ایک دن کم کر دیتا ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی ختم ہونے سے پہلے اسے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آقا و مولیٰ ﷺ کی غلامی میں صَرف کیا جائے ورنہ یہ پگھلتے پگھلتے ختم ہو جائے گی۔ بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا آج کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ نعمتیں بار بار نہیں ملا کرتیں۔

04

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''تم میں سے کوئی انتظار نہیں کرتا مگر سرکش بنانے والی امیری کا، یا بھلا دینے والی مفلسی کا، یا بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا بے عقل کر دینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک موت کا، یا دجال کی چھپی ہوئی برائی کا، یا قیامت کا جو بہت خوفناک اور کڑوی آفت ہے۔'' (ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

مال و دولت کی فراوانی انسان کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سے سرکش بنا دیتی ہے۔ غربت کے سبب رزق کی تلاش میں انسان دین سے غافل ہو جاتا ہے۔ بیماری جسم کو کمزور اور ذہن کو سست کر دیتی ہے۔ بڑھاپا انسان کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کا

زوال ہے۔اچانک موت گناہوں سے توبہ کرنے کی مہلت نہیں دیتی۔

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس حال میں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت میں مشغول رہے۔ جو موجودہ لمحات کو غنیمت نہیں جانتا گویا وہ آفات کا انتظار کرتا ہے۔اے جوانو! جوانی میں خوب سجدے کرلو، ہم نے بڑھاپے میں کئی لوگوں کو بغیر سجدے کے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

05

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا،

''جس کی نیت آخرت طلب کرنے کی ہو، اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی کر دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ اور جسے دنیا ہی کی فکر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے محتاجی لاتا ہے اور اس کے جمع کیے ہوئے کام منتشر کر دیتا ہے اور دنیا بھی اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کا مقدر ہوتی ہے''۔ (ترمذی، مشکوۃ کتاب الرقاق)

یعنی جو مسلمان اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اُس کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ اُسے معاش کی فکر نہیں رہتی اور اسے نہایت آسانی سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء کا ارشاد ہے، ''جو اللہ کا ہو جائے، اللہ اُس کا ہو جاتا ہے''۔

اس کے برعکس جو دنیا کا مال واسباب جمع کرنے کی ہوس میں اپنے رب کو فراموش کر دے، وہ مال کی فکر میں صبح سے شام تک مارا مارا پھرے گا اور پریشان رہے گا۔ مگر پھر بھی اُسے وہی ملے گا جو اُس کا مقدر ہے۔

06

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''آدمی کے دل کی ہر جنگل میں ایک شاخ ہے۔ جو اپنے دل کو ان تمام شاخوں کی طرف لگا دے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہو گی کہ وہ کسی بھی جنگل میں ہلاک ہو جائے۔ اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا، وہ اسے تمام شاخوں کی طرف سے کفایت کرے گا''۔

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہاں شاخ سے مراد خواہش یا فکر ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ انسان کا دل تو ایک ہے مگر دل میں خواہشات یا فکریں بہت ہیں۔ جو آخرت کی فکر چھوڑ کر اپنے دل کو دنیا کی فکروں میں مشغول رکھے گا اور مال کے حصول کے لیے خواہشات کی پیروی کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان فکروں سے آزاد نہیں کرے گا یہانتک کہ وہ بغیر توبہ کے مر جائے۔ اور جو بندہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے آخرت کی فکر کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی تمام فکروں سے بچائے گا اور اس کی تمام حاجات پوری کرے گا۔

﴿07﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی حیا کرنے کا حق ہے''۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! الحمدُ للہ، ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا،

''حیا صرف یہی نہیں ہے بلکہ اللہ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ اپنے سر کی حفاظت کرو اور اس میں موجود (خیالات) کی، اور اپنے پیٹ کی حفاظت کرو اور اس میں موجود (غذا) کی۔ اور موت کو اور موت کے بعد کے حالات کو یاد کرو۔ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے، وہ دنیا کی آرائش و آسائش چھوڑ دے۔ پس جو ایسا کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق ادا کرے گا''۔ (مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ)

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے اپنے گناہوں پر توجہ کی جائے تو جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُسی کا نام حیا ہے''۔

7

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے افکار وخیالات اور اپنی غذا کی حفاظت کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکامات کے خلاف کوئی قول یا فعل اختیار نہ کرے۔ نیز موت کو یاد رکھے۔ جو موت کی یاد کے ساتھ آخرت کی فکر کرے گا، اُس کے لیے دنیا کی زیب وزینت چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

﴿08﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''دوزخیوں میں دو گروہ ہیں۔ ان میں ایک ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں۔ وہ خود بھی دوسرے مردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں اور ناز وادا‌ؤں سے چلتی ہیں۔ یہ عورتیں ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے معلوم ہو جاتی ہے اور دور دور تک پھیلتی ہے''۔ (مشکوٰۃ)

کپڑے پہننے کے باوجود انہیں ننگا اس لیے فرمایا کہ وہ باریک لباس پہنتی ہیں جس سے ان کا بدن جھلکتا ہے یا وہ ایسا لباس پہنتی ہیں جو غیرت وحیا کے منافی اور فحاشی و عریانی کا نمونہ ہے۔ برہنہ سر، عریاں سینہ، ننگے بازو، چُست لباس اور مزید ستم یہ کہ نامحرموں سے آزادانہ اختلاط۔ دل کی آنکھوں سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد پڑھ لیجیے۔

﴿09﴾

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جو عورت تیز خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گزرے (کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں) تو وہ ایسی ویسی (یعنی زانیہ) ہے''۔ (ترمذی ابواب الآداب)

صرف تیز خوشبو لگا کر باہر نکلنے پر یہ وعید ہے تو پھر بے پردگی، عریانی اور نامحرموں سے میل جول پر اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کس قدر ناراض ہوں گے۔ آگے حدیث

شریف آئے گی جس میں یہ مذکور ہے کہ جہنم میں زیادہ عورتیں ہوں گی۔

﴿10﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''ایمان اور حیا دونوں ساتھی ہیں۔ جب ایک یعنی حیا چلی جائے تو دوسرا یعنی ایمان بھی چلا جاتا ہے''۔ (مشکوٰۃ)

بخاری و مسلم میں ہے کہ ''حیا ایمان کا حصہ ہے''۔ تمام اہلِ ایمان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ آخرت کی فکر کریں کیونکہ آخرت کی فکر غیرت و حیا کی حفاظت کے بغیر ناممکن ہے۔ جب حیا ہی نہ رہے گی تو پھر ایمان کیسے باقی رہ سکتا ہے!!!

﴿11﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''کیا کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے کہ وہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں گیلے نہ ہوں؟'' لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔ آپ نے فرمایا، ''اسی طرح دنیا دار بھی گناہوں سے نہیں بچ سکتا''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اُستاذی و مرشدی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ رقم طراز ہیں،

''پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ دنیا کیا ہے! دنیا اشیاء کا نام نہیں، دنیا مال و دولت کا نام نہیں بلکہ خدا کی یاد سے غفلت کا نام دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن ۔۔۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے، وہ دنیا ہے۔ اور یہ یقیناً قابلِ نفرت و مذمت ہونی چاہیے''۔ (تصوف و طریقت: ۱۷۰)

مزید فرماتے ہیں، ''اس حدیث پاک میں بھی دنیا داری سے مراد وہ دنیا داری ہے

جو اللہ تعالیٰ اور نورِ مجسم ﷺ کی اطاعت سے غافل رکھے۔ ایک حدیث پاک میں یہ ارشاد ہے کہ: ''دنیا لذتوں اور خواہشوں سے گھری ہوئی ہے پس دنیا کی لذتیں اور خواہشیں تم کو آخرت سے غافل نہ کر دیں''۔ (تصوف وطریقت: ۱۷۴)

﴿12﴾

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کو یہ فرماتے سنا،

''شراب پینا کئی گناہوں کو جمع کرنا ہے، عورتیں شیطان کا جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

شراب کی حرمت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے،

''نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے''۔ (مسلم)

انسان چونکہ شراب پی کر عقل سے محروم ہو جاتا ہے اس لیے نشہ کی وجہ سے اس کے لیے دیگر گناہوں کے ارتکاب میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

عورتوں کو شیطان کا جال اس لیے فرمایا گیا کیونکہ جب وہ بن سنور کر بے پردہ باہر نکلتی ہیں تو شیطان مردوں کو ان کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس طرح پاکیزہ ذہنوں میں برے خیالات جنم لیتے ہیں اور پھر معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے۔

دنیا کے ساتھ ایسا تعلق جو آخرت سے غافل کر دے، درحقیقت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ پیر و مرشد حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں، گویا ہر برائی کا آغاز دنیا کی محبت سے ہوتا ہے اور دنیا نام ہے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی چیزوں کا۔ صوفیہ فرماتے ہیں، دنیا رحمت ہے جب تک اس کی محبت دل سے باہر ہو جیسے سمندر میں کشتی چلے اور پانی کشتی سے باہر رہے تو رحمت ہے ورنہ تباہی و بربادی۔

یہ حقیقت ہے کہ جو دنیا سے بے رغبت ہو جائے، دنیا اُس کی طرف دوڑتی ہے۔ آپ دنیا کو سائے کی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر آپ سائے کی مخالف سمت میں چلیں گے تو

وہ آپ کے پیچھے آئے گا اور اگر آپ سائے کی طرف دوڑنے لگ جائیں تو ہرگز سائے کو قابو نہ کر پائیں گے اور وہ آپ سے بہر صورت آگے ہی رہے گا۔

(تصوف وطریقت:۱۷۵)

﴿13﴾

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''جس نے دنیا سے محبت کی، اُس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے آخرت سے محبت کی اس کی دنیا کا نقصان ہوا۔ پس تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو''۔ (مسند احمد، بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جب کوئی دنیا سے محبت کرتا ہے تو وہ لامحالہ آخرت پر اسے ترجیح دیتا ہے اور دنیا ہی کے کاموں میں مگن رہتا ہے اور یہ بلاشبہ آخرت کا نقصان ہے۔ اسی طرح آخرت کی فکر رکھنے والے شخص کی دنیا کے معاملات متاثر ہوتے ہیں۔

اگر بالفرض وہ ظاہری طور پر دنیا کا مال ومتاع زیادہ نہ سمیٹ سکے تب بھی اس کی آخرت تو اچھی ہو جائے گی، اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔ کیونکہ ہمیشہ کی اُخروی زندگی کو عارضی اور فانی دنیاوی زندگی پر بہر صورت ترجیح حاصل ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ''اللہ کو پا کر کبھی کسی نے کچھ نہیں کھویا، اور اللہ کو کھو کر کبھی کسی نے کچھ نہیں پایا''۔

﴿14﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''میں اپنی امت کے متعلق دو چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ ایک نفسانی خواہشات اور دوسرا لمبی عمر کی امید۔ کیونکہ نفسانی خواہشات تو حق قبول کرنے سے روکتی ہیں جبکہ لمبی عمر کی امید آخرت کو بھلا دیتی ہے۔ یہ دنیا کوچ کر کے جانے والی ہے اور آخرت کوچ کر کے آنے والی ہے۔ دونوں کے اپنے اپنے چاہنے والے ہیں۔ اگر تم سے

ہو سکے تو دنیا کے چاہنے والے نہ بنو کیونکہ آج تم عمل کی جگہ میں ہو جہاں حساب نہیں اور کل تم آخرت کے گھر میں ہو گے جہاں عمل نہیں''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

نفسانی خواہشیں اور لمبی عمر کی اُمید، شیطان کے دو اہم ہتھیار ہیں جن کے ذریعے وہ بندوں کو صراطِ مستقیم سے دور اور آخرت سے غافل بنا دیتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حقیقت ہمیں بتا دی ہے تو ہمیں چاہیے کہ اپنی خواہشات کو شریعت کی روشنی میں پرکھتے رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم شیطان کی پیدا کردہ خواہشات کے جال میں پھنس جائیں اور پھر زندگی کی امید پر گناہوں سے توبہ کو ملتوی کرتے رہیں۔

آج ہمارے پاس توبہ اور نیک عمل کا موقع ہے۔ وگرنہ موت اچانک آ جائے گی اور پھر ہمیں اپنے کیے ہوئے ہر ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔ بلاشبہ وہ شخص بدنصیب ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے اور پھر زندگی کی امید پر توبہ کو ملتوی کر دے۔

15

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا،

''دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور آخرت سامنے سے آ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے چاہنے والے ہیں۔ تم آخرت کے طلبگار بننا اور دنیا کے طلبگاروں میں سے مت ہونا۔ کیونکہ آج عمل کا موقع ہے جس میں حساب نہیں اور کل حساب کا دن ہوگا جس میں عمل نہیں ہوگا''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اگر کل آخرت میں اپنی مرضی کی زندگی جنت میں گزارنا چاہتے ہو تو آج دنیا میں اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی گزارو۔ وہ شخص نقصان میں رہے گا جو آج اپنی مرضی سے زندگی گزارے اور آخرت کی فکر نہ کرے۔ اور اس چند روزہ زندگی کی خاطر جنت میں ہمیشہ کی زندگی اور نعمتوں سے محروم ہو جائے۔

﴿16﴾

حضرت مُستورِد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی آیا ہے''۔

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

دنیا کے معنی ہی حقیر اور ادنیٰ چیز کے ہیں۔ اس حدیث پاک میں سمندر کی مثال ہمیں سمجھانے کے لیے دی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کو آخرت سے یعنی محدود کو لامحدود سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔

آقا کریم ﷺ نے اس مثال کے ذریعے ہمیں سمجھایا ہے کہ اگر سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لی جائے تو سوائے تری کے کچھ نہیں آتا اور سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اسی طرح آخرت کے مقابلے میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

﴿17﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ بکری کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا، ''تم میں سے کون اسے ایک درہم کے بدلے لینا چاہتا ہے؟'' ہم نے عرض کی، ہم تو اسے کسی بھی چیز کے بدلے نہیں لینا چاہتے۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''خدا کی قسم! جس قدر یہ مردار تمہارے نزدیک بے قیمت ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس بھی زیادہ حقیر و کمتر ہے''۔

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک میں دنیا کو ایک مردہ جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جسے کوئی مفت لینے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔ پھر ہم کیسے ایمان والے ہیں جو اس حقیر دنیا کی خاطر اپنے رحمان و رحیم رب اور اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ حدیث پاک کا

پیغام یہ ہے کہ اے لوگو! اس حقیر و کمتر دنیا کے طالب نہ بنو بلکہ رب کریم کی رضا اور آخرت کے طالب بن جاؤ تا کہ تمہیں جنت میں دائمی زندگی ملے۔

﴿18﴾

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا''۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

کوئی بھی اپنے دشمن کو اپنی پسندیدہ چیز یا کوئی قیمتی چیز دینا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے منکروں اور باغیوں کو دنیا کی نعمتیں اس لیے دے رہا ہے کہ اس کے نزدیک دنیا نہایت حقیر اور گھٹیا چیز ہے۔ اگر دنیا ادنیٰ سی بھی قیمت رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ جبکہ اُس کے نزدیک آخرت پسندیدہ اور نہایت قیمتی ہے اسی لیے وہ کافروں کو اس سے ایک قطرہ پانی بھی نہیں دے گا۔

﴿19﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

''جائیداد نہ بناؤ، ورنہ تم دنیا سے محبت کرنے لگو گے''۔

(ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

بعض علماء نے اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''باغات اور تجارت میں مشغول نہ ہو جاؤ''۔ حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جائیداد، باغات اور تجارت میں ایسے مشغول نہ ہو جانا کہ تم انہی چیزوں کے غلام ہو کر رہ جاؤ اور اپنے خالق و مالک کی بندگی کو بھول جاؤ۔ اگر غفلت نہیں تو بقدرِ ضرورت کی ممانعت بھی نہیں۔ رب تعالیٰ نے ایسے تاجروں کی تعریف فرمائی ہے جو کاروبار کے باوجود غافل نہیں ہوتے۔

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ (النور:۳۷)

''وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا، اور نہ خرید وفروخت، اللہ کی یاد اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے''۔ (کنزالایمان)

﴿20﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم آقا و مولیٰ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے تو ایک بلند مکان دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، یہ مکان کس کا ہے؟ صحابہ نے عرض کی، یہ فلاں انصاری کا ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور یہ بات یاد رکھی۔

جب اس کا مالک آپ کے پاس آیا اور اس نے سلام کیا تو آپ نے اپنا چہرۂ انور اس سے پھیر لیا۔ اس نے کئی بار سلام عرض کیا مگر آپ متوجہ نہ ہوئے۔

وہ صاحب آپ کی ناراضگی سمجھ گئے اور صحابہ سے اس کا سبب پوچھا۔ انہیں بتایا گیا کہ حضور ﷺ نے تمہارا بلند مکان دیکھا تھا۔ وہ صحابی گئے اور اپنا بلند مکان گرا دیا یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک روز آقا کریم ﷺ باہر تشریف لے گئے تو وہ بلند مکان نہ دیکھا۔ فرمایا، وہ مکان کیا ہوا؟

صحابہ نے عرض کی، اس کے مالک نے آپ کی ناراضگی کے متعلق پوچھا تھا تو ہم نے اسے سبب بتا دیا، لہٰذا اس نے وہ مکان گرا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''ہر تعمیر اس کے مالک کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جس کی واقعی ضرورت ہو''۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسولِ معظم ﷺ نے بلاضرورت تعمیر کو پسند نہیں فرمایا۔ نیز حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہے کہ صحابہ کرام اپنے آقا کریم ﷺ کی رضامندی کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔

﴿21﴾

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''مومن جو بھی خرچ کرتا ہے اس پر اُسے اجر دیا جاتا ہے سوائے اس کے جو وہ مٹی (یعنی تعمیر) پر خرچ کرے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

﴿22﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''تمام خرچے اللہ کی راہ میں ہیں سوائے عمارات کی تعمیر کے، کیونکہ ان میں بھلائی نہیں''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس سے مراد اُس عمارت کی تعمیر ہے جو ضرورت سے زائد ہو یا اس کی زیب و زینت ضرورت سے زیادہ ہو جیسا کہ موجودہ دور میں بھی عمارات کی آرائش پر لاکھوں خرچ کر دیے جاتے ہیں جن کی حقیقت میں کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ورنہ ضرورت کے مطابق گھر یا دوکان کی تعمیر بھی جائز ہے اور مساجد و مدارس وغیرہ کی تعمیر بھی اجر و ثواب کا باعث ہے۔

﴿23﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''خبردار! دنیا ملعون ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، اور اُس چیز کے جو اللہ کے قریب کر دے، اور عالم اور دینی علم سیکھنے والے کے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جو چیز اللہ و رسول ﷺ سے غافل کر دے، وہ دنیا ہے۔ یا جو اللہ و رسول ﷺ کی ناراضگی کا سبب ہو، وہ دنیا ہے۔ بچوں کی پرورش، غذا، لباس، گھر وغیرہ حاصل کرنا انبیاء کرام کی سنت ہے، یہ مذموم دنیا نہیں۔

اللہ کے ذکر سے مراد ساری عبادات ہیں۔ ''جو اللہ کے قریب کر دے''؛ اس جملے کے چار معنی ہیں۔ وہ حضرات انبیاء و اولیاء جو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں جن سے رب تعالیٰ محبت کرتا ہے، یا جو ذکرِ الٰہی سے قریب کر دے، یا جو ذکرِ الٰہی کے تابع ہے، یا جو ذکرِ الٰہی کا سبب ہے۔

یعنی اللہ کا ذکر، اللہ کے محبوب بندے، علماء، طلباء اگر چہ دنیا میں ہیں، مگر مذموم دنیا نہیں ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہماری زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے متعلقہ اُمور سے، نیز دین کا علم سیکھنے سکھانے سے خالی ہے تو ایسی زندگی لعنت کے لائق ہے۔

﴿24﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''۔

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

ایک مفہوم یہ ہے کہ مومن دنیا میں رب کی رضا کے لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و دیگر عبادات میں محنت و مشقت کرتا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کو مانتا ہے۔ بعض کام اُس کے لیے منع ہیں اور بعض جائز۔ قیدی بھی دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اُسے قید میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور جیل کے قوانین کو ماننا پڑتا ہے۔ پس دنیا مومن کے لیے قید خانے کی مثل ہے۔

جبکہ کافر کے لیے دنیا میں آزادی ہے، وہ جو چاہے کرے۔ یہ دنیا ہی اس کے لیے جنت ہے کیونکہ آخرت میں تو اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح قیدی جیل میں دل نہیں لگاتا، یوں ہی مومن بھی دنیا میں دل نہیں لگاتا بلکہ وہ آخرت کی فکر میں اور جنت میں اپنی اصل قیام گاہ تک

پہنچنے کے لیے اعمالِ صالحہ میں کوشاں رہتا ہے۔ جبکہ کافر آخرت کا منکر ہے اور وہ دنیا کے عیش وعشرت میں دل لگاتا ہے، لہٰذا دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں کہ ہمارا تعلق اس دنیا سے اگر وہی ہے جو قیدی کا قید خانہ کے ساتھ ہوتا ہے تو ہم مومن ہیں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر ہمارا طرزِ عمل کافروں والا ہے، ہمیں اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

﴿25﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''آگ خواہشات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت کو سختیوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے''۔ (مسلم، بخاری کتاب الرقاق)

جب انسان اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل میں مشقت اُٹھائے اور نفسانی خواہشات پر صبر کرے تو اُسے جنت مل جائے گی کیونکہ جنت سختیوں کے درمیان ہے۔ گویا جنت میں جانے کے لیے اسے ناخوشگوار چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جہنم کی آگ خواہشات سے گھری ہوئی ہے۔ جب انسان حرام اور ناجائز خواہشات کا ارتکاب کرے گا تو وہ اللہ و رسول ﷺ کا نافرمان قرار پائے گا۔ اس طرح خواہشات کی پیروی اسے دوزخ میں لے جائے گی۔

﴿26﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو تخلیق کیا تو جبرئیل سے فرمایا، تم جاؤ اور جا کر جنت کو دیکھو۔ وہ گئے اور جنت کو، اور اس کی نعمتوں کو دیکھا جو اہلِ جنت کے لیے بنائی گئیں۔ پھر آ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، یا رب، تیری عزت کی قسم! جو بھی اس جنت کا حال سنے گا وہ ضرور اس میں پہنچے گا (یعنی جو اس کی نعمتوں کا حال سنے گا، وہ پوری کوشش کر

کے وہ کام کرے گا جن سے جنت ملے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا (یعنی جنت کے گرد شرعی احکام کی باڑ لگادی جسے عبور کرنا نفس کے لیے بڑا سخت ہے) اور پھر جبرئیل سے فرمایا، اب جا کر جنت کو دیکھو۔ وہ گئے اور آ کر عرض کی،

یا رب، تیری عزت کی قسم! اب مجھے ڈر ہے اس میں کوئی بھی نہیں جا سکے گا (نفسانی خواہشات کے خلاف اس قدر سختیاں اور مشقتیں اٹھانا انسان کے لیے بہت مشکل ہے اس لیے اب شاید اس میں کوئی مشکل ہی سے جا سکے)۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تخلیق کیا تو جبرئیل سے فرمایا، جاؤ اور جہنم دیکھ کر آ ؤ۔ وہ گئے اور آ کر عرض کی،

یا رب، تیری عزت کی قسم! جو بھی جہنم کا حال سنے گا وہ کبھی اس میں نہیں جائے گا (یعنی وہ ایسے کام ہرگز نہیں کرے گا جو اسے جہنم میں پہنچا دیں)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو نفسانی خواہشات اور لذتوں سے گھیر دیا (یعنی اس کے گرد نفسانی خواہشات اور لذتوں کی باڑ لگادی جو انسان کے لیے مرغوب اور پسندیدہ ہیں) اور پھر جبرئیل سے فرمایا، اب جا کر جہنم کو دیکھو۔ وہ گئے اور آ کر عرض کی،

یا رب، تیری عزت کی قسم! اب مجھے ڈر ہے کہ سب لوگ کہیں اس میں پہنچ نہ جائیں (نفسانی خواہشات اور لذتوں میں انسان کے لیے اتنی کشش ہے کہ وہ صبر اور ضبط نہیں کر سکے گا، اس لیے خدشہ ہے کہ کوئی مشکل ہی سے اس سے بچے گا)''۔

(ترمذی ابواب صفۃ الجنۃ ،نسائی ،ابوداؤد)

اس حدیث میں پیغام ہے کہ نفسانی خواہشات کتنی ہی لذت والی کیوں نہ ہوں، جہنم میں لے جائیں گی جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اور شریعت کی پابندی خواہ نفس پر کتنی ہی دشوار کیوں نہ ہو، جنت میں لے کر جائے گی جس میں دائمی عیش، ہمیشہ کی راحت

اور وہ نعمتیں ہیں جن کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔

﴿27﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتا۔ اس نیکی کے باعث مومن کو دنیا میں نعمتیں دیتا ہے اور آخرت میں اس کی جزا بھی عطا فرمائے گا۔ جبکہ کافر جو اچھے اعمال اللہ کے لیے کرتا ہے، ان کی وجہ سے اسے دنیا ہی میں کھلا دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی جزا نہیں''۔ (مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

مومن کو اس کی نیکیوں کا نفع دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے اجر میں کمی نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ''اور جو اللہ کے لیے ڈرے، اللہ اسکے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اُسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو''۔

مومن کے لیے دنیا میں دل کا سکون، رزق میں وسعت، آفات سے سلامتی، عزت و عظمت اور کئی نعمتیں ہیں جبکہ کافر کے لیے اس کی نیکیوں کے بدلے میں دنیا میں کھانا پینا، دولت و شہرت اور دیگر آسائشیں ہیں۔ آخرت میں کافر کے لیے کوئی جزا نہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے، ﴿وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾

''اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں''۔ (الشوریٰ:۲۰)

﴿28﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''تم کسی فاسق پر نعمتوں کی وجہ سے رشک مت کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اُسے مرنے کے بعد کیا ملنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والی قاتل چیز یعنی آگ ہے''۔ (شرح السنہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یعنی دنیا میں کسی کافر، فاسق یا بدمذہب کے پاس نعمتوں کی کثرت دیکھ کر اس پر رشک مت کرنا کیونکہ دنیا میں نعمتوں کی کثرت مثلاً دولت، شہرت، عزت وغیرہ کسی کے اللہ کا پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اصل حساب تو آخرت ہی میں ہونا ہے۔

کسی کافر یا گمراہ و بدمذہب کو اس کی اچھائیوں کی جزا دنیا ہی میں عزت و شہرت کی صورت میں دے دی جاتی ہے، اس کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ ہے۔

﴿29﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آقا کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا،

''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں جوان ہوتا ہے۔ ایک دنیا کی محبت اور دوسرا لمبی امیدیں''۔ (مسلم، بخاری کتاب الرقاق)

﴿30﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی جاتی ہیں، ایک مال کی حرص اور دوسرا طویل زندگی کی حرص''۔ (مسلم، بخاری کتاب الرقاق)

ان احادیث مبارکہ میں بوڑھے انسان کے دو عیب بیان ہوئے جن کی وجہ سے وہ آخرت سے غافل رہتا ہے۔ اگرچہ یہ عیب جوانوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن بڑھاپے کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے انسان کی ساری قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اس لیے اسے آخرت کی فکر ہونی چاہیے۔ مگر دنیا کی محبت یا مال کی حرص اور دنیا میں زیادہ عرصہ رہنے کی حرص مزید جوان ہوتی رہتی ہیں۔

دنیا کی ہوس یا مال کی حرص بندے کو آخرت کی یاد بھلائے رکھتی ہے اور لمبی اُمیدیں اُسے گناہوں سے توبہ نہیں کرنے دیتیں۔ جب آخرت کی کوئی بات اُسے اچھی لگتی ہے اور دل نیکی کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے تو شیطان اُسے یہی جھوٹی تسلی دیتا

ہے کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، پھر توبہ کر لینا۔

ان بیماریوں کا علاج یہی ہے کہ قرآن وحدیث کی روزانہ تلاوت کی جائے اور یہ یقین پختہ کیا جائے کہ یہ دنیاوی زندگی چند روزہ اور فانی ہے اور آخرت کی زندگی ہی ہمیشہ کی زندگی ہے جس میں ہمیں اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ نیز یہ کہ موت اچانک آئے گی، پھر کیا خبر! توبہ کا موقع ملے یا نہ ملے۔

﴿31﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کا عذر مسترد کر دیتا ہے جسے وہ لمبی عمر دیتا ہے یہانتک کہ اس کی عمر ساٹھ سال ہو جاتی ہے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جوانی میں گناہوں سے توبہ کرنا صالحین اور اولیاء اللہ کا طریقہ ہے ورنہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی شکار چھوڑ دیتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی مناسب بات نہیں کہ بندہ اُس وقت نیکیاں کرنا شروع کرے جب وہ گناہ کرنے کے لائق نہ رہے، پھر وہ انسان جو اس قدر طویل عمر پا کر بھی گناہ نہ چھوڑے تو وہ اپنے رب کو کیا منہ دکھائے گا!!!

﴿32﴾

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کون سا آدمی اچھا ہے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ''وہ جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں''۔

پھر اُس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کون سا آدمی بُرا ہے؟ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''وہ جس کی عمر لمبی اور اعمال بُرے ہوں''۔

(احمد، ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

﴿33﴾

حضرت ابوسعید خُدری ﷜ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک لکڑی سامنے گاڑی پھر دوسری لکڑی اس کے برابر میں گاڑ دی۔ پھر تیسری لکڑی اس سے بہت دور گاڑی اور فرمایا، جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی، ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں''۔ فرمایا،

''یہ انسان ہے اور یہ انسان کی موت۔ اور (دُور والی تیسری لکڑی) یہ اُس کی امید ہے۔ وہ امید کی طرف دوڑتا ہے لیکن امید سے پہلے موت آ جاتی ہے''۔

(شرح السنہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

ہادیٔ عالم ﷺ نے تین لکڑیاں گاڑ کر گویا عملی مشق کے ذریعے سمجھایا کہ موت انسان کے کس قدر قریب ہے۔ انسان کی ایک امید پوری ہوتی ہے تو دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے دل میں بیشمار خواہشیں جنم لیتی ہیں لیکن موت اپنے مقررہ وقت پر پہنچ کر اس کی تمام خواہشوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

﴿34﴾

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا،

''بُرا بندہ وہ ہے جو اپنے آپ کو اونچا سمجھے اور تکبر کرے اور اونچی شان والے رب کو بھول جائے۔

بُرا بندہ وہ ہے جو ظلم و زیادتی کرے اور خدائے جبار و اعلیٰ کو بھول جائے۔ بُرا بندہ وہ ہے جو کھیل کود میں پھنسا رہے اور قبروں کو اور گل سڑ جانے کو بھول جائے۔ بُرا بندہ وہ ہے جو غرور کرے اور حد سے بڑھ جائے اور اپنی ابتدا و انتہا کو بھول جائے۔

بُرا بندہ وہ ہے دنیا کو دین کے ذریعے دھوکہ دے۔ بُرا بندہ وہ ہے جو شبہات سے دین کو بگاڑے۔ بُرا بندہ وہ ہے جسے لالچ اپنا غلام بنا لے۔ بُرا بندہ وہ ہے جس کو نفسانی

خواہشات گمراہ کردیں۔ بُرا بندہ وہ ہے جسے خواہشات ذلیل کردیں“۔

(ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ یہ ہے کہ جو غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر اپنے رب کو بھول جائے، لوگوں پر ظلم کرے، کھیل کود میں مشغول رہے، نفسانی خواہشات کی غلامی میں اپنی قبر اور آخرت سے غافل رہے، مال کا لالچ اسے ذلیل کرے اور وہ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لے، یقیناً وہ بہت بُرا بندہ ہے۔

﴿35﴾

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب داں رسول ﷺ نے فرمایا،

”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے۔ اور عاجز واحمق وہ ہے جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزو رکھے“۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

دنیا کی زندگی کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، بہر حال ختم ہونے والی ہے جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود اور دائمی ہے۔ لہٰذا چند روزہ فانی زندگی پر آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دینا ہی عقل کا تقاضا ہے۔ جو کوئی اپنے نفس کی خواہشات کے تابع ہو کر زندگی گزارتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت کی امید کرتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے کانٹے دار درخت بوئے اور امید کرے کہ پھل دار درخت اُگے گا۔

اس حدیث پاک میں اُن لوگوں کے لیے غور و فکر کا پیغام ہے جو آخرت کے انجام سے بے پرواہ ہو کر اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانیاں کرتے ہیں اور جب کوئی نیک شخص انہیں نصیحت کرے تو وہ کہتے ہیں، ”اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ بڑا غفور و رحیم ہے“۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں۔ اور وہ نادان ہیں جو جہنم میں لے جانے والے کام کریں اور پھر جنت کی امید رکھیں۔

﴿36﴾

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''خدا کی قسم! مجھے تم پر فقر کا کوئی خوف نہیں لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تمہارے لیے دنیا کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی اور تم دنیا میں رغبت کرو گے جیسا کہ انہوں نے رغبت کی اور تم آخرت سے غافل ہو جاؤ گے جیسا کہ وہ آخرت سے غافل ہوئے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک میں غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ نے یہ غیبی خبر دی کہ مجھے تم پر فقر و افلاس کا کوئی خوف نہیں البتہ یہ خوف ہے کہ تمہارے پاس دولت آ جانے کی وجہ سے تم اس کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت سے غافل ہو جاؤ گے۔ آج آپ دیکھ لیجیے کہ اکثر مالدار مال کی محبت میں آخرت سے غافل ہیں۔

اگر چہ اس ارشاد کے مخاطبین بظاہر صحابہ کرام ہیں جن کی ہادیٔ عالم ﷺ نے ایسی بہترین تربیت فرمائی تھی کہ وہ خدا کے فضل و کرم سے دنیا کی ناجائز محبت و رغبت سے محفوظ رہے۔ تاہم نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد امت کی تعلیم کے لیے ہے تا کہ امت مال کی حرص و ہوس میں مبتلا نہ ہو۔ اور جب مسلمان مالدار ہو جائیں تو وہ مال کے بُرے اثرات سے بچنے کی ضرور فکر کریں اور آخرت سے غافل نہ ہو جائیں۔

﴿37﴾

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''میں اپنے بعد تم پر جن چیزوں کا خوف کرتا ہوں، وہ دنیا کی تازگی اور زینت ہے جو تم پر کھول دی جائے گی۔ کسی نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! کیا خیر بھی شر لاتی ہے؟ آپ خاموش رہے یہانتک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر آپ نے پسینہ پونچھا اور سائل کو بلایا اور اسکی تعریف کی، پھر فرمایا،

''خیر شر کو نہیں لاتی جیسے موسمِ بہار جو اُگاتا ہے، اس میں وہ بھی ہے جو پیٹ پھلا کر چوپائے کو ہلاک کر دیتا ہے یا بیمار کر دیتا ہے سوائے اُس جانور کے جو سبزہ کھائے یہانتک کہ اس کا پیٹ خوب بھر جائے۔ پھر وہ دھوپ میں آ جائے، گوبر و پیشاب کرے اور پھر چرنے لگے۔ بلاشبہ یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو اس مال کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ خرچ کرے تو یہ بہترین مددگار ہے اور جو اس کو ناحق لیتا ہے، وہ اُس چوپائے کی مثل ہے جو بہت کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ یہ مال قیامت کے دن اُس کے خلاف گواہ ہوگا''۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث کے خاص نکات درج ذیل ہیں۔

وحی کے نزول کے وقت حضورِ اکرم ﷺ کو پسینہ آ جاتا تھا۔

مالِ غنیمت اور رزق کی کثرت خیر ہی ہے مگر بخل، فضول خرچی، حرص اور اس کے غلط استعمال کی وجہ سے اسے شر کی بیماری لگ جاتی ہے۔

مثلاً موسمِ بہار میں اللہ تعالیٰ سبزہ اُگاتا ہے۔ بہار خیر ہے کہ سبزہ کا باعث ہے۔ مگر جو چوپائے ہوس کی وجہ سے بہت زیادہ سبزہ کھالیں وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ دراصل وہ سبزہ کی وجہ سے بیمار نہیں ہوتے، ہوس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص مال کی ہوس میں اپنے رب کو بھول جائے، وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔

اگر چوپائے ہوس کی وجہ سے سبزہ کے ساتھ مضرِ صحت جڑی بوٹیاں کھالیں، تو بھی وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو دنیا کا مال جمع کرنے کی ہوس میں حلال و حرام کی تمیز کھودے، وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔

جب چوپائے کو بدہضمی ہو جائے تو وہ دھوپ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر جب پیٹ نرم ہو جائے تو جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہ خارج ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جب انسان حد سے تجاوز کرے اور اسے گناہوں کا مرض لاحق ہو تو اسے چاہیے کہ رحمتِ الٰہی کے

سائے میں آ کر توبہ کرے تا کہ اسے بھی اس مرض سے شفا ملے۔

چوپایہ ہر وقت نہیں کھاتا بلکہ جب وہ پہلا کھانا ہضم کرتا ہے تو کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کھاتا ہے۔ یونہی مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت نہ کمائے، کچھ وقت کمائے اور کچھ وقت اپنے رب کی عبادت کرے۔

مال دیکھنے میں سرسبز اور میٹھا یعنی بہت پسندیدہ چیز ہے۔ اگر ناحق لیا جائے مثلاً سود، رشوت، چوری، دھوکہ سے، تو نری ہلاکت ہے۔ اور اگر جائز وحلال طریقے سے لیا جائے اور اس سے مستحقین کا حق ادا کیا جائے تو یہ دنیا وآخرت میں، رحمتِ الٰہی کے حصول میں مددگار ہے۔ دنیا پرست فاسق کا مال قیامت میں اس کے فسق وفجور کا جبکہ مومن کا مال اس کے تقوی اور سخاوت کی گواہی دے گا۔

﴿38﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''ہلاک ہو جائے دنیا کا غلام، روپے پیسے کا غلام اور اعلیٰ کپڑوں کا غلام، اگر اس کو دیا جائے تو وہ خوش ہو اور نہ دیا جائے تو ناراض رہے۔ وہ ہلاک ہو جائے، برباد ہو جائے، اور جب اسکے کانٹا لگے تو نہ نکلے۔ خوشخبری ہو اُس بندے کے لیے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی لگام پکڑے ہو، اس کے بال بکھرے ہوں اور پاؤں گردآلود۔ اگر پہرے کی ذمہ داری ہو تو پہرہ دے، اگر لشکر کے پیچھے ہو تو پیچھے رہے، اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے''۔

(بخاری کتاب الرقاق، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جو شخص مال ودولت اور لباس وغیرہ کی محبت میں ایسا گرفتار ہو کہ اسے آخرت کی فکر نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پرواہ نہ کرے، ایسا غافل اور دنیا پرست شخص دراصل مال ودولت کا بندہ اور غلام ہے۔ اس کی غلامی کی علامت

یہ بیان ہوئی کہ اگر اُسے مال مل جائے تو خوش، ورنہ ناخوش ہوتا ہے۔ گویا ایسے حریص اور مفاد پرست کو کوئی بھی مال کے عوض خرید سکتا ہے۔

ایسا شخص اس قدر قابلِ نفرت و ملامت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے اس کی ہلاکت و بربادی کے لیے دعا فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ''اسے کانٹا لگے تو نہ نکلے'' یعنی جب وہ کسی مصیبت میں پھنسے تو کوئی اُسے نکالنے والا نہ ہو۔

اس دنیا پرست کے مقابل نبی کریم ﷺ نے مخلص مجاہد کا بھی ذکر فرمایا جو خدا کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر لڑے۔ اسے جہاں ڈیوٹی دی جائے، خوش دلی سے کرے۔ لوگ اس کی غربت کی وجہ سے اسے اپنے گھر نہ بلائیں، اور نہ ہی اس کی کوئی جائز سفارش مانیں، اُس کے لیے حضور ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔

﴿39﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''دینار و درہم کے بندوں پر لعنت کی گئی ہے''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

وہ شخص جو مال و دولت کا اس قدر لالچی ہو کہ مال کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کا لحاظ نہ کرے، اور مال کے حصول ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے، اور قبر و آخرت سے غافل رہے، ایسا شخص مال و دولت کا بندہ ہے اور مال و دولت کے بندوں پر لعنت ہے۔

﴿40﴾

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اور اسے وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو''۔

(مسند احمد، بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

دنیا فانی ہے، اس لیے جو اسے اپنا گھر یعنی مستقل ٹھکانہ سمجھے، وہ آخرت سے غافل ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں۔ اگر ''دار'' سے مراد عیش وعشرت کا گھر لیا جائے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ دنیا کو عیش کا گھر وہی سمجھ سکتا ہے جس کو آخرت اور جنت پر یقین نہ ہو۔ ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے، ''اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے''۔ (مشکوٰۃ)

اسی طرح دنیا کا مال اُسی کے لیے ''مال'' ہے جو آخرت سے غافل ہو اور اس کے لیے آخرت میں مال نہ ہو۔ کیونکہ وہ دنیا میں عیش کی خاطر مال جمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اس لیے عطا فرماتا ہے تاکہ اِسے اُس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔

جو مال حرام ذریعہ سے کمایا جائے اور حرام کاموں میں خرچ کیا جائے، وہ مال نہیں بلکہ وبال ہے۔ ایسا مال برباد ہو جاتا ہے اور وہی مال محفوظ رہتا ہے جو رب کی رضا کے لیے اُس کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ پس مومن عقل مند ہے جو آخرت کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور غافل بےوقوف ہے جو دنیا کے لیے مال جمع کرتا ہے۔

41

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ''اگر آدمی کے پاس مال یعنی سونے چاندی سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو بھی وہ چاہے گا کہ کاش اس کے پاس اسی طرح کی تیسری وادی بھی ہو۔ آدمی کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھرتی ہے اور جو توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

آدمی ہمیشہ دنیا کے مال کے لالچ اور حرص وہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ وہ جس قدر بھی مال کما لے، مزید مال کمانے کی ہوس اسے بےچین رکھتی ہے یہانتک کہ وہ مر جاتا ہے تو اس کے پیٹ کو اس کی قبر کی مٹی بھر دیتی ہے۔

ایک قبرستان کے باہر لکھا تھا، ''کبھی ہم بھی ایسے تھے جیسے آج تم ہو۔ اور ایک دن آئے گا کہ تم بھی ایسے ہو جاؤ گے جیسے آج ہم ہیں''۔

﴿42﴾

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا کوئی آدمی مال کی حرص اور جھوٹی عزت کی خاطر اپنے دین کا نقصان کر لیتا ہے''۔ (ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جس طرح بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ بیشمار بکریوں کو چیر پھاڑ کر کے رکھ دیتے ہیں اسی طرح مال کا لالچ اور عزت وشہرت کی خواہش دو بھوکے بھیڑیے ہیں جو مومن کے دین کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

مال کی حرص رشتوں کا احترام اور حلال وحرام کی تمیز ختم کر دیتی ہے اور جھوٹی عزت کا حصول بندے کو ریاکار اور ظالم بنا دیتا ہے۔

﴿43﴾

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مال کا سوال کیا تو آپ نے وہ مجھے عطا فرمایا۔ میں نے آپ سے دوبارہ مال مانگا تو آپ نے پھر عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا،

''یہ مال دیکھنے میں بہت سرسبز و شاداب اور ذائقے میں میٹھا ہے۔ جو کوئی اس کو کسی لالچ کے بغیر لے گا، اُس کے لیے مال میں برکت ہو گی اور جو اسے حرص و لالچ سے لے گا، اُس کے مال میں برکت نہیں ہو گی اور وہ اُس شخص کی مثل ہو گا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔

(بخاری کتاب الرقاق)

اوپر والا ہاتھ مال دینے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مال لینے والا ہے۔خوش نصیب ہیں وہ جو خدا کے دیے ہوئے میں سے اُس کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ برکت سے مراد یہ نہیں کہ مال زیادہ ملے بلکہ کم مال بندے کو زیادہ نفع دے اور اسے دلی سکون حاصل رہے، یہ برکت ہے۔

﴿44﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو۔آقا و مولیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''تمہارا مال وہی ہے جو تم نے آگے بھیج دیا یعنی خیرات کر دیا اور جو مال تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارے وارثوں کا مال ہے''۔(بخاری کتاب الرقاق)

جب کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کے وارثوں کے پاس تو مال ہو اور اس کے پاس نہ ہو۔تو پھر اس کے پاس مال رہنے کی یہی صورت ہے کہ وہ راہِ خدا میں صدقہ کرے اور اپنی آخرت کے لیے جمع کر لے۔البتہ ایک حدیث کے مطابق ورثاء کے لیے کچھ مال چھوڑنا افضل ہے تا کہ وہ مانگنے سے محفوظ رہیں۔

﴿45﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''بندہ کہتا رہتا ہے، میرا مال، میرا مال! حالانکہ اس کا مال تین طرح کا ہے۔ایک وہ جو کھا کر ختم کر لیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، دوسرا وہ جو صدقہ دے کر جمع کر لیا۔اور جو مال اس کے علاوہ ہے، وہ بندہ تو جانے والا ہے اور اُسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے''۔(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

بندہ فخر سے لوگوں کو بتاتا ہے، یہ میری کوٹھی ہے، یہ میری گاڑی ہے، میری اتنی جائیداد ہے وغیرہ۔ یہ تکبر ہی کی ایک صورت ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ جو مال خود استعمال کرلے، وہ اس کا ہے یا پھر وہ مال جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اُس کی راہ میں خرچ کردے، اس کا نفع اسے آخرت میں ضرور ملے گا۔ اس کے علاوہ اس کا تمام مال اس کے وارثوں کا ہے۔

بندہ کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ میں اور میرا مال، سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ جانے مجھے کب موت آجائے اور یہ مال وارثوں کا ہوجائے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امیر ہو یا غریب، کسی کے کفن میں جیب نہیں ہوتی۔

﴿46﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''غنی ہونا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ حقیقی غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو یعنی مال سے بے نیاز ہو''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

دل کا قناعت پسند اور دوسروں سے بے نیاز ہونا حقیقت میں غنی ہونا ہے۔ امیری مال و دولت کی کثرت کا نام نہیں بلکہ دل کے بے نیاز ہونے کا نام ہے۔ مالدار اگر لالچی ہو تو وہ فقیر ہے اور غریب اگر قناعت والا، بے نیاز ہو تو وہ امیر ہے۔

علماء کے نزدیک، نفس کے غنی ہونے سے مراد علمی و عملی کمالات کا حصول ہے کیونکہ اصل امیری کمال کے ساتھ ہے، مال کے ساتھ نہیں۔ اہلِ کمال کے نزدیک دولتمند مال سے نہیں ہوتا کیونکہ مال تو صرف قبر کے کنارے تک جاتا ہے مگر اعمال و کمال میت کے ساتھ جاتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

﴿47﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، تونے آگے کیا بھیجا ہے؟ اور لوگ کہتے ہیں، اس نے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟'' (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

دنیا والے اپنی محدود سمجھ کے مطابق اس کی وراثت اور جائیداد کے متعلق گفتگو کرتے ہیں جبکہ اصل گھر تو آخرت کا ہے۔ اس لیے فرشتے یہ پوچھتے ہیں کہ تم نے آخرت کے لیے بھی کوئی ''جائیداد'' بنائی یا نہیں۔ جہاں چند سال رہنا ہے وہاں کے لیے بندہ ساری زندگی مال جمع کرنے میں گزار دیتا ہے تو جہاں اس نے ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے اسے اُتنا ہی زیادہ ''مال'' جمع کرنا چاہیے۔

﴿48﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کے اعمال جاتے ہیں۔ اس کا اہل وعیال اور مال تو لوٹ آتے ہیں اور اس کے اعمال ساتھ رہ جاتے ہیں''۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جو چیز دفن کے بعد بھی میت کے ساتھ رہتی ہے وہ اس کے اعمال ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہیں تو میت کی قبر جنت کا باغ بن جاتی ہے ورنہ جہنم کا گڑھا۔ اس لیے یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم دنیا میں نیک اعمال کریں تاکہ قبر میں پریشانی نہ ہو۔

﴿49﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ جنت اور دوزخ کے ذکر پر تو آپ کو رونا نہیں آتا مگر قبرستان میں آپ اس قدر کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا،

میرے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر اس منزل سے آسانی سے گزر گئے تو بعد کی منزلیں بھی آسان ہوں گی اور اگر پہلی ہی منزل دشوار ہوگئی تو بعد کی منزلیں بھی دشوار ہو جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے، میں نے قبر سے زیادہ سخت منظر کہیں اور نہیں دیکھا''۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب اثباتِ عذاب القبر)

﴿50﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے''۔ (ابن ماجہ)

ابتدا میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا کیونکہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لیے خدشہ تھا کہ بت پرستی کے عادی ہونے کے باعث وہ قبر پرستی شروع نہ کر دیں۔ جب ان کے دلوں میں اسلامی طور طریقے راسخ ہو گئے تو آپ نے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

زیارتِ قبور کا فائدہ آقا کریم ﷺ نے یہ بتایا کہ اس سے فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قبروں کی زیارت موت یاد دلاتی ہے۔ (مسلم)

﴿51﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''بیشک بندہ کو جب قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان صاحب (حضرت محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا تھا؟ اس سوال پر مسلمان کہتا ہے، وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس پر فرشتے کہتے ہیں، تم دوزخ میں اپنا ٹھکانا

دیکھ لو، بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل فرمادیا ہے۔

جب منافق اور کافر سے یہ سوال ہوتا ہے کہ ''تم ان صاحب کے متعلق کیا کہتے تھے'' تو وہ کہتا ہے، ''میں نہیں جانتا۔ جو لوگ کہا کرتے تھے، میں بھی وہی کہتا تھا''۔ اس پر اس سے کہا جاتا ہے، ''نہ تو نے جانا اور نہ تو نے پڑھا''۔ پھر اسے لوہے کے کوڑے سے مارا جاتا ہے جس سے اس کی چیخ نکلتی ہے اور یہ آواز جن و انسان کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے''۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

قبر میں پہلا سوال یہ ہوتا ہے، تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ سوال ہوتا ہے، تیرا دین کیا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ کا جلوہ دکھا کر آپ کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ صحیح جواب نہ دینے پر کہا جاتا ہے، ''نہ تو نے جانا اور نہ تو نے پڑھا''۔ پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رسولِ معظم ﷺ کی شان و عظمت کے متعلق علماءِ حق سے سیکھے یا پڑھے، اور صحیح عقائد رکھے تا کہ قبر میں حضور ﷺ کی معرفت نصیب ہو۔

﴿52﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے اور نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو مُنکَر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ مردے سے حضور ﷺ کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ تو دنیا میں ان کے متعلق کیا کہا کرتا تھا؟ اگر مردہ مومن ہے تو کہتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور وہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہے۔

اس پر فرشتے کہتے ہیں، ہمیں علم تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر اس مردے کی قبر کو ستّر ستّر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں، تو ایسے سو جا جیسے دلہن سوتی ہے جسے اس کا محبوب ہی جگاتا ہے۔ پھر وہ سوتا

ہے، اسے اس کے ٹھکانے سے اللہ تعالیٰ ہی بیدار کرے گا۔

اگر مردہ منافق ہوتا ہے تو فرشتوں کو جواب دیتا ہے، ''میں ان کو نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں سے جو کچھ ان کے متعلق سنا، وہی میں بھی کہتا تھا''۔ فرشتے کہتے ہیں، ہمیں علم تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر وہ زمین سے کہتے ہیں، سمٹ جا۔ تو زمین سمٹتی ہے اور قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں میں چلی جاتی ہیں۔ وہ قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

﴿53﴾

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گُرز ہوتا ہے کہ اگر وہ گرز پہاڑ پر مارے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرشتہ اس گرز سے اس مردہ کو مارتا ہے تو اس کی چیخ کو جن اور انسان کے سوا سب سنتے ہیں۔ اس ضرب سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے (اور یہی عمل دہرایا جاتا ہے)۔

(مسند احمد، ابو داؤد، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

رب کریم ہمیں قبر کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

﴿54﴾

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

ایک دن آقا کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ ہنس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ''اگر تم لذتیں ختم کرنے والی چیز موت کو زیادہ یاد کرو تو وہ تم کو اس (غفلت والی ہنسی) سے روک دے، لہٰذا تم موت کو زیادہ یاد کیا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ قبر ہر روز پکارتی ہے، میں مسافروں کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا

گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں۔

جب مومن دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے، تیرا آنا مبارک ہو۔ جتنے لوگ مجھ پر چلتے تھے، ان سب میں تو مجھے بہت پیارا تھا۔ آج تو میرے پاس آیا ہے تو اپنے ساتھ میرا اچھا برتاؤ دیکھ لے۔ پھر قبر حدِ نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے۔

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو قبر اُسے کہتی ہے، تیرا آنا مبارک نہیں۔ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے، مجھے ان میں تو سخت ناپسند تھا۔ آج تو میرے قبضے میں آ گیا ہے تو دیکھ! میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ پھر قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور اُسے اتنا دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں''۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس کی مثال سمجھائی۔ اور ارشاد فرمایا،

''پھر اُس پر ستر (۷۰) اژدھے مسلط کر دیے جاتے ہیں، جن میں سے اگر ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو زمین قیامت تک کچھ نہ اُگائے۔ وہ اژدھے اُسے قیامت تک کاٹتے اور نوچتے رہیں گے۔

پھر غیب بتانے والے رسول ﷺ نے فرمایا، قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۔ (ترمذی)

اس حدیث مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موت اور قبر کی یاد غفلت کا علاج ہیں۔ مومن کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اپنے انجام سے غافل نہ رہے۔

55

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''عذابِ قبر حق ہے''۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، اس کے بعد میں نے آقا و مولیٰ رسولِ معظم ﷺ کی کوئی نماز ایسی نہ دیکھی جس کے بعد آپ نے عذابِ قبر سے

پناہ نہ مانگی ہو۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

قبر کا عذاب وثواب حق ہے۔حضور ﷺ ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے ،ہمیں بھی یہ دعا کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے بچائے ،آمین۔

﴿56﴾

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو نورِ مجسم رسولِ معظم ﷺ بیدار ہوتے اور فرماتے ،''اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو۔ ہلا دینے والی آ گئی اور پیچھا کرنے والی اس کے پیچھے آ رہی ہے۔موت اپنی حقیقت کے ساتھ آ گئی،موت تمام تکالیف کے ساتھ آ گئی''۔(ترمذی)

مختلف احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ نمازِ عشاء کے بعد آرام فرماتے۔ جب تہائی رات گزرتی تو بیدار ہو کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ جب دو تہائی رات گزرتی تو اپنے امتیوں کو بھی تہجد کے لیے بیدار کرنا چاہتے۔ بلاشبہ بندوں کو نیند سے بیدار کر کے عبادت کے لیے مستعد بنانے میں موت کی تکالیف اور قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر بہت مؤثر ہے۔

ہلا دینے والی سے مراد پہلا صور ہے جس سے قیامت آئے گی اور پیچھے آنے والی سے مراد دوسرا صور ہے جس سے سب مردے دوبارہ زندہ ہونگے۔اس ارشاد کا مقصد یہی ہے کہ موت اچانک آنے والی ہے اس لیے جلدی جلدی نیکیاں کرلو۔

﴿57﴾

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''تم میں سے ہر شخص سے (قیامت میں) اُس کا رب اس طرح بلا واسطہ کلام فرمائے گا کہ اس کے اور رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ ہی کوئی پردہ۔پس جب بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اُسے سوائے اُسکے اعمال کے کچھ نظر نہ آئے گا

اور جب بائیں جانب دیکھے گا تو وہاں بھی اُسکے اعمال کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ اور وہ جب سامنے دیکھے گا تو اسے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ پس اے لوگو! جہنم کی آگ سے بچو، خواہ کھجور کا ایک خشک ٹکڑا ہی دے کر اس سے بچنے کی فکر کرو''۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

انسان آج دنیاوی زندگی میں اعمال کے اچھا یا برا ہونے کی خاص پرواہ نہیں کرتا لیکن کل قیامت کو اندازہ ہوگا کہ ایمان کے بعد اصل اہمیت اعمال ہی کی ہے جب اُسے دائیں اور بائیں اعمال ہی نظر آئیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ خیرات دوزخ سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے کھجور کا ایک خشک ٹکڑا صدقہ دینے کی مثال اس لیے ارشاد فرمائی تا کہ ہم کسی چھوٹی نیکی کو حقیر نہ سمجھیں اور جہنم کی آگ سے بچنے کی ہر ممکن فکر کریں۔

58

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غیب دان رسول ﷺ سے سنا،

''قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب ہو جائے گا یہاںتک کہ ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں غرق ہونگے۔ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کی کمر تک ہوگا جبکہ بعض کا پسینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا''۔ پھر رسولِ معظم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے دہنِ اقدس کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم، ترمذی)

قیامت کے دن سورج نہایت قریب ہوگا اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے پسینے میں ہونگے۔ بعض کے جسموں کے مختلف حصوں تک پسینہ ہوگا جبکہ بعض پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ یہ حال گناہگاروں کا ہوگا جبکہ صالحین عرشِ الٰہی کے سائے میں آرام و سکون سے بیٹھے ہوں گے۔

﴿59﴾

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،
''کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس سے حساب لیا جائے اور وہ ہلاک نہ ہو''۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں کہ ''عنقریب اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا''۔ ارشاد فرمایا، یہ صرف حساب پیش ہونا ہے اور جس سے حساب کے وقت پوچھ گچھ ہوئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آقا کریم ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا، ''الٰہی! مجھ سے آسان حساب لینا''۔ میں نے عرض کی، آسان حساب کیا ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے کہ اللہ کریم بندے کے اعمال نامہ کو دیکھے اور اس سے درگزر فرمائے۔ اور جس سے حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

گویا جس سے جرح ہوئی کہ کیا کیا اور کیوں کیا، وہ مصیبت میں پھنس جائے گا۔

﴿60﴾

اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جہنم کا ذکر کیا تو رونے لگیں۔ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، تم کیوں روئیں؟ انہوں نے عرض کی، میں نے جہنم کا ذکر کیا تو مجھے رونا آ گیا۔ کیا آپ قیامت میں اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا، تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ایک میزان پر جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ اس کا نامۂ اعمال ہلکا رہا یا بھاری۔ دوسرے نامۂ اعمال دیے جانے کے وقت جبکہ کہا جائے گا، آؤ اپنی کتاب پڑھو۔ جب تک بندہ یہ نہ جان لے کہ اس کی کتاب کیسے ملتی ہے، دائیں ہاتھ میں یا بائیں میں یا پیٹھ کے پیچھے سے۔ تیسرے پلِ صراط کے پاس جبکہ اسے جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

اُمُّ المؤمنین کا جہنم یاد کر کے رونا ان کے ایمان کے کمال کی دلیل ہے کہ جنتی ہونے کے باوجود خوفِ خدا کی وجہ سے رو رہی ہیں۔ ہم جیسے گناہگاروں کو تو جہنم کی آگ کا بہت زیادہ خوف ہونا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے عام لوگوں کا ذکر فرمایا کہ کوئی شخص بھی اُس وقت تک اپنے بیوی بچوں کو یاد نہیں کرے گا جب تک وہ تین مقامات پر کامیاب نہ ہو جائے۔ میزان پر اس کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہو، اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے اور وہ پلِ صراط سے بخیریت گزر جائے۔ رحمتِ عالم ﷺ کو تو اُس دن اپنی اُمت کی فکر لاحق ہوگی، اس کا ذکر اگلی حدیث میں موجود ہے۔

﴿61﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آقا کریم ﷺ سے عرض کیا، آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمایئے گا۔ ارشاد فرمایا، میں تمہارا یہ کام کر دوں گا۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں اُس روز آپ کو کہاں تلاش کروں؟

فرمایا، سب سے پہلے مجھے پلِ صراط پر دیکھنا۔ میں نے عرض کی، اگر میں آپ کو پلِ صراط پر نہ پاسکوں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ فرمایا، تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں نے عرض کی، اگر میں آپ کو میزان پر بھی نہ پاسکوں تو پھر؟ فرمایا، تو پھر مجھے حوضِ کوثر کے پاس تلاش کرنا، کیونکہ میں ان تین مقامات کے سوا کہیں اور نہیں جاؤں گا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

علماء فرماتے ہیں کہ آقا کریم ﷺ میزان پر نگاہِ رحمت ڈال کر اپنے غلاموں کے نیکیوں کے پلے بھاری بناتے ہوں گے۔ پلِ صراط پر جب گناہگار لڑکھڑاتے ہوں گے تو آپ رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ پکار کر انہیں پل پر سے سلامتی سے گزارتے ہوں گے اور جب پیاسے امتی حوضِ کوثر پر آئیں گے تو سرکار انہیں اپنے دستِ اقدس سے

کوثر کے جام بھر بھر کر عطا فرماتے ہوں گے۔ بقول مولانا حسن رضا بریلویؒ،

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

﴿62﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نورِ مجسم سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔ انبیاء، علماء اور شہداء''۔
(ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

حدیث پاک میں خاص شفاعت کا ذکر ہے جو انبیاء، علماء اور شہداء فرمائیں گے لیکن اس کے علاوہ بعض صالحین اور متقی لوگ بھی شفاعت کریں گے بلکہ چھوٹے بچے بھی اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔

﴿63﴾

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''میری امت میں بعض لوگ وہ ہونگے جو جماعتوں کی شفاعت کریں گے، اور بعض قبیلوں یا قوموں کی سفارش کریں گے اور بعض وہ ہونگے جو (۴۰ افراد تک کے) گروہ کی شفاعت کریں گے جبکہ بعض وہ ہونگے جو ایک آدمی کی شفاعت کرسکیں گے یہاںتک کہ ان کی شفاعت سے وہ جنت میں پہنچ جائیں گے''۔ (ترمذی)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سابقہ حدیث میں مذکور تین گروہوں کے علاوہ بھی صالحین جماعتوں، قبیلوں اور مختلف افراد کی شفاعت کریں گے۔

﴿64﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن جہنمی صفیں بنائے کھڑے ہونگے کہ ایک جنتی ان کے پاس سے گزرے گا۔ تو ان میں سے ایک آدمی کہے گا، اے فلاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟

میں نے آپ کو ایک بار پانی پلایا تھا۔ دوسرا کہے گا، میں وہ ہوں جس نے آپ کو وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ پس وہ جنتی اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کرادے گا''۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

اہلِ ایمان میں سے گناہگار لوگ جنہیں جہنم میں جانے کا حکم دیا گیا ہوگا، وہ اہلِ جنت میں سے اپنے کسی جاننے والے کو پہچان کر اسے اپنی نیکی یاد دلائیں گے۔ اور پھر اس جنتی کی سفارش سے وہ گناہگار بخشے جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ صالحین اور متقی لوگوں سے دوستی اور تعلق رکھنا چاہیے کیونکہ یہ تعلق قیامت کے دن کام آئے گا۔

﴿65﴾

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہوگا جس کے لیے آگ کا جوتا اور دو تسمے ہونگے جس کی تپش سے اس کا دماغ ایسے اُبلتا ہوگا جیسے ہانڈی اُبلتی ہے۔ وہ یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسے دیا جارہا ہے حالانکہ وہ سب دوزخیوں میں ہلکے عذاب والا ہوگا''۔ (بخاری، مسلم)

دوزخ کے مختلف طبقے ہیں اور ہر طبقے کا عذاب الگ الگ ہے۔ دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب جسے دیا جائے گا اُسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ ایسے کھولتا ہوگا جیسے ہانڈی کھولتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک.

﴿66﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اِس دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستّر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! یہی آگ کافی تھی۔ فرمایا، دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلے میں اُنہتر درجہ بڑھا دی گئی ہے اور ہر درجہ کی حرارت دنیا کی

آگ کی حرارت کے برابر ہے''۔ (بخاری، مسلم)

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ دوزخ کی آگ، دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تیز ہے۔ ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا کی آگ ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے جبکہ دوزخ کی آگ مجرموں کو سزا دینے کے لیے ہے اس لیے وہ زیادہ تیز بنائی گئی۔

﴿67﴾

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ کائنات ﷺ نے فرمایا،

''اگر غسّاق کا ایک ڈول اس دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا والے اس کے تعفن سے سخت بدبو میں مبتلا ہو جائیں''۔ (ترمذی، مشکٰوۃ)

غسّاق سے مراد وہ سڑی ہوئی پیپ ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے،

﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًاo اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًاo﴾

''(دوزخی) دوزخ میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو، مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کی جلتی پیپ''۔ (النبا:۲۴-۲۶)

افسوس اُن بدنصیب مجرموں پر جنہیں یہ بدبودار پیپ پلائی جائے گی۔

﴿68﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہر گز نہ مرنا مگر مسلمان''۔ (الِ عمران:۱۰۲، کنز الایمان)

پھر فرمایا، اگر ''زَقُّوم'' کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپکایا جائے تو دنیا والوں کی تمام چیزیں خراب اور بدبودار ہو جائیں، پس اُن لوگوں پر کیا گذرے گی جن کا کھانا یہی

''زَقُّوم''ہوگا۔(ترمذی،مشکوٰۃ)

قرآن کریم میں ہے کہ ''زَقُّوم'' جہنم والوں کی خوراک ہے۔ارشادہوا،

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ o طَعَامُ الْاَثِيْمِo كَالْمُهْلِ يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِo كَغَلْىِ الْحَمِيْمِo﴾

''بیشک تھوہڑ کا پیڑ گنا ہگاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے، جیسے کھولتا پانی جوش مارے''۔(الدخان:۴۳-۴۶)

مقامِ غور ہے کہ اگر ایک قطرہ زَقوم کی کڑواہٹ سے زمین کی تمام چیزیں بدبودار ہوجائیں تو اس کا کھانا کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔لیکن دوزخیوں پر ایسی سخت بھوک مسلط کی جائے گی کہ وہ زَقوم کھانے پر مجبور ہونگے۔

﴿69﴾

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ﴾ ''اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا، بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا'' کے متعلق فرمایا،

''یہ اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا،وہ اسے ناپسند کرے گا۔یہ جب اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو اس کا چہرہ بھون دے گا،اس کے چہرے کی کھال گر جائے گی۔پھر جب اسے پیے گا تو یہ اس کی آنتیں کاٹ دے گا اور اس کی پیٹھ کے راستے نکل جائے گا۔رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾

''اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے''۔

﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ﴾

''اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہوگی اُس پانی سے جو کھولتی

ہوئی دھات کی طرح ہے جو اُن کے منہ بھون دے گا، کیا ہی بُرا پینا ہے''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب صفۃ النار)

''صدید'' سے مراد وہ پتلی پیپ ہے جس میں خون کی آمیزش ہو۔ دوزخیوں کو کبھی ''صدید'' پلایا جائے گا کبھی ''حمیم'' اور کبھی ''غساق''۔ یہ تینوں سخت گرم اور بدبودار مشروب ہیں جو جہنم والوں کے لیے ہیں۔

﴿70﴾

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب داں رسول معظم ﷺ نے فرمایا،

''دوزخیوں پر بھوک مسلط کی جائے گی اور یہ بھی ان پر ایک طرح کا عذاب ہوگا۔ چنانچہ وہ فریاد کریں گے تو انہیں ''ضریع'' کا کھانا دیا جائے گا جو نہ انہیں موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک دور کرے گا۔ پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں کانٹے دار کھانا دیا جائے گا۔ انہیں یاد آئے گا کہ دنیا میں وہ گلے میں اٹکنے والے کھانے کو پانی سے نگل جاتے تھے لہٰذا وہ پانی مانگیں گے۔ تو لوہے کے کانٹوں کے ساتھ گرم پانی ان کی طرف پھینکا جائے گا جسے وہ منہ کے قریب کریں گے تو وہ بھن جائے گا۔ اور جب پیٹ میں داخل ہوگا تو پیٹ کی ہر چیز کو کاٹ دے گا۔

وہ کہیں گے، جہنم کے دربانوں کو بلاؤ۔ دربان کہیں گے، ''کیا تمہارے پاس رسول واضح معجزات لے کر نہیں آئے تھے؟''۔ وہ کہیں گے، ''ہاں، بیشک''۔ دربان کہیں گے، ''اچھا تو اب پکارو مگر کافروں کی پکار بیکار ہوتی ہے''۔

دربان کہیں گے، ''(جہنم کے داروغہ) مالک کو پکارو''۔ وہ پکاریں گے، ''اے مالک! تمہارا رب ہمارا قصہ ختم کردے''۔ مالک جواب دے گا، ''تم یونہی رہو گے یعنی تمہیں موت نہیں آئے گی''۔ راوی کہتے ہیں، ان کے پکارنے اور مالک فرشتہ کے جواب دینے میں ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا۔

پھر دربان کہیں گے، ''اب اپنے رب کو پکارو کیونکہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں''۔ وہ پکاریں گے، اے ہمارے رب! ہمیں اس عذاب سے نجات دے۔ اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو بیشک ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا، ''دور ہو جاؤ، اور اسی عذاب میں ذلت کے ساتھ رہو، اور مجھ سے بات مت کرو''۔

اُس وقت وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے، چیخیں چِلائیں گے اور حسرت و افسوس کریں گے''۔ (جامع ترمذی ابواب صفة الجهنم)

﴿71﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ کائنات ﷺ نے فرمایا،

''جہنم کی آگ میں سوائے بدبخت کے کوئی نہیں جائے گا''۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! بدبخت کون ہے؟ فرمایا، ''وہ جو اللہ کی فرمانبرداری کے کام نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ چھوڑے''۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

اگر جہنم میں دائمی طور پر جانا مراد ہو تو پھر بدبخت سے مراد کافر ہے اور اگر مطلقاً جہنم میں جانا مراد ہو تو پھر بدبخت سے مراد بدکار ہے خواہ کافر ہو یا فاسق۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے توبہ کرے اور ان کی اطاعت میں زندگی گزارے تاکہ جہنم کی آگ اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے۔

﴿72﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن دوزخیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کی تمام دنیاوی زندگی عیش و آرام سے گذری ہوگی۔ پھر اسے دوزخ کی آگ میں ایک غوطہ دیکر نکال لیا جائے گا اور پوچھا جائے گا، کیا تو نے کبھی اچھی حالت بھی دیکھی ہے، کیا تو نے کبھی عیش و آرام بھی دیکھا ہے؟ وہ کہے گا، خدا کی قسم! یارب! کبھی نہیں۔

پھر جنتیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کی تمام زندگی دنیا میں دکھوں اور تکالیف میں گذری ہوگی۔ اس کو جنت میں ایک غوطہ دے کر نکال لیا جائے گا اور پوچھا جائے گا، کیا تو نے کبھی کوئی دکھ دیکھا ہے، کیا تجھ پر کبھی کوئی تکلیف آئی ہے؟ وہ کہے گا، خدا کی قسم! نہیں۔ یا رب! میں نے کبھی کوئی دکھ نہیں پایا اور میں کبھی کوئی تکلیف نہیں دیکھی''۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ جہنم کا عذاب اس قدر سخت اور تکلیف دہ ہے کہ اس کا ایک لمحہ ساری زندگی کا عیش و آرام بھلا دے گا اور جنت اس قدر راحت و سکون کا سرچشمہ ہے کہ اس کا ایک لمحہ ساری زندگی کے دکھ اور تکالیف کو بھلا دے گا۔

﴿73﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جو ڈرتا ہے وہ اندھیرے میں اُٹھتا ہے اور جو اندھیرے میں اُٹھتا ہے وہی منزل پر پہنچتا ہے۔ خبردار! اللہ کا سودا بہت قیمتی اور مہنگا ہے۔ خبردار! اللہ کا سودا جنت ہے''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اندھیرے میں اُٹھنے سے مراد ہے، رات کے شروع ہی میں چل پڑنا۔ کیونکہ قافلوں پر اکثر حملے رات کے آخری حصے میں ہوتے تھے۔ اس مثال کے ذریعے ہمیں یہ سمجھایا گیا کہ جس طرح لٹیروں کے حملے سے ڈرنے والے اپنی نیند و آرام قربان کر کے رات کے شروع ہی میں سفر کا آغاز کر دیتے ہیں اسی طرح راہِ آخرت کے مسافروں کو چاہیے کہ وہ اپنی منزل یعنی جنت پانے کے لیے اپنی لذتوں کو قربان کریں اور شیطان کے حملے سے حفاظت کی تدبیر اپنائیں۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کا سودا، ''جنت'' ایسی قیمتی اور مہنگی ہے کہ جس کی خاطر بندے کو اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف اپنے جان و مال کی قربانی دینی ہوگی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾
''بیشک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے جان اور مال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے''۔ (التوبۃ:۱۱۱، کنزالایمان)

﴿74﴾

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا،
''قیامت کے دن سب لوگ ایک ہموار میدان میں جمع کیے جائیں گے۔ پھر اعلان ہوگا، کہاں ہیں وہ جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی جو راتوں کو بستر چھوڑ کر تہجد پڑھتے تھے)؟ پس وہ لوگ اس پکار پر کھڑے ہوجائیں گے اور وہ تعداد میں کم ہونگے۔ پھر ان سے کہا جائے گا، تم بغیر حساب کے جنت میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد باقی لوگوں کا حساب شروع ہوگا''۔
(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

خوش نصیب ہیں وہ جو رات کے آخری پہر نرم بستر چھوڑ کر اپنے رحمان ورحیم رب کی بارگاہ میں آج سجدہ ریز ہوتے ہیں، وہ کل بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔

﴿75﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،
''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔
(بخاری کتاب الرقاق)

یعنی اگر تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب کیسا ہے اور قبر وقیامت کے احوال کس قدر ہولناک ہیں نیز جہنم میں گناہگاروں کے لیے کیا کیا عذاب ہے، تو تم نیند اور سکون سے محروم ہوجاؤ، تمہارا ہنسنا بہت کم ہوجائے اور تم بہت زیادہ روؤ۔

﴾76﴿

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب دان رسول ﷺ نے فرمایا،

''جنت تم میں سے کسی کی جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے اور جہنم بھی اسی طرح ہے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

یعنی موت اچانک آجائے گی، توبہ کی مہلت نہ دے گی پھر بندہ جنتی ہوگا یا جہنمی۔

﴾77﴿

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''میں نے نہیں دیکھا کہ دوزخ جیسی (دہشت ناک) چیز سے بھاگنے والا سوئے اور نہ یہ کہ جنت جیسی (بہترین) چیز کا طلبگار سوئے''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ دوزخ اتنی خوفناک جگہ ہے کہ جس کو اس کے عذاب کے متعلق علم ہوجائے وہ سو نہیں سکتا یعنی اس سے غافل نہیں ہوسکتا۔ پس وہ شخص اُن کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو اُسے جہنم میں لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

اسی طرح جنت ایسی بہترین جگہ ہے کہ جس کو اس کی نعمتوں کا علم ہوجائے وہ اس سے غافل نہیں ہوسکتا۔ پس وہ شخص ساری زندگی اُن کاموں میں مشغول رہتا ہے جو اُسے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

﴾78﴿

حضرت محمد بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو کوئی بلند مرتبہ دینا چاہتا ہے جسے وہ اپنے عمل کے ذریعے حاصل نہیں کرسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی کسی پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس بندے کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے یہانتک کہ اس بندے کو وہ بلند مرتبہ عطا فرما دیتا ہے''۔ (احمد، ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر کسی عمل کے بھی کسی کو کوئی بلند مرتبہ عطا فرما سکتا ہے۔ مگر اپنی حکمت سے وہ کسی بندے کو کوئی اعلیٰ مرتبہ دینا چاہتا ہے جسے وہ اپنے اعمال کے ذریعے نہیں پا سکتا تو رب تعالیٰ اسے مصائب و تکالیف میں مبتلا فرما کر ان پر صبر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور صبر کی وجہ سے اُس اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔

﴿79﴾

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''مسلمان کو جو بھی دکھ، اور جو بھی بیماری، اور جو بھی پریشانی، اور جو بھی اذیت اور جو بھی رنج و غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے''۔ (بخاری، مسلم)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مومن کے لیے ہر بیماری اور ہر تکلیف اس لحاظ سے رحمت ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

﴿80﴾

حضرت عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ کائنات ﷺ نے فرمایا،

''جب مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے صحت دے دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ اور مستقبل کے لیے نصیحت ہو جاتی ہے۔ اور جب منافق بیمار ہوتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے۔ اُس کی مثال اُس اونٹ کی طرح ہے جسے اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا لیکن اُسے کوئی احساس نہیں کہ اسے باندھا کیوں تھا اور پھر کھولا کیوں گیا''۔ (ابو داؤد)

حدیث پاک سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ مومن بیماری اور مصیبت کو رحمت سمجھتا ہے کیونکہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور صبر پر درجے بلند ہوتے ہیں۔ نیز مومن مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اس سے نجات پر شکر۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ رب تعالیٰ اس

طرح اسے صابر وشاکر بننے کی تربیت دیتا ہے۔

منافق چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے غافل ہوتا ہے اس لیے وہ کسی بیماری یا مصیبت سے کوئی سبق نہیں لیتا اور جانور کی طرح اسے اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ مصیبت کیوں آئی تھی اور دور کیوں ہوگئی۔

﴿81﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''زُہد اور دنیا سے بے رغبتی یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے اوپر کسی حلال کو حرام کر لے اور اپنا مال ضائع کر دے (یعنی اپنے پاس مال نہ رکھے) بلکہ زہد یہ ہے کہ تمہیں اپنے مال سے زیادہ اُس پر اعتماد ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو تم اس پر ثواب لینے میں زیادہ رغبت رکھو اور مصائب کو ثواب کی وجہ سے مرغوب سمجھو''۔ (ترمذی ابواب الزہد)

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہے کہ زُہد کسی حلال کو اپنے لیے حرام کر لینے کا نام نہیں اور نہ ہی مال سے نفرت کرنا زُہد ہے۔ حدیث پاک میں زُہد کی پہلی علامت یہ بیان ہوئی کہ بندہ دنیاوی نعمتوں کو ناپائیدار سمجھتے ہوئے ان پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد و بھروسہ رکھے۔

زُہد کی دوسری علامت یہ بیان ہوئی کہ جب کوئی مصیبت بندہ کو پہنچے تو اس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو کہ کاش مجھے یہ تکلیف نہ پہنچی ہوتی بلکہ اس کے دل میں یہ احساس ہو کہ اس مصیبت پر جو اجر وثواب مجھے آخرت میں ملے گا وہ مصیبت نہ پہنچنے کے مقابلے میں کئی ہزار درجے بہتر ہے۔

﴿82﴾

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

''اس امت کی پہلی اصلاح یقین اور زُہد ہے اور اس کا پہلا فساد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی اُمید ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

یقین سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے اور زُہد سے مراد ہے پاکیزہ مال اور مختصر اُمیدوں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ جب مومن ان دونوں صفات سے محروم ہو جائے یعنی وہ یہ سمجھنے لگے کہ زندگی بہت طویل ہے، یہ مال کے بغیر اچھی نہیں گذر سکتی، زیادہ مال ہوگا تو تکالیف کم ہوں گی۔ بس یہ سوچ انسان کو بخیل بنا دیتی ہے اور پھر اس کی خواہشات بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں، اور یہی اصل فساد ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، زُہد پھٹا پرانا موٹا کپڑا پہننے اور معمولی غذا کھانے کا نام نہیں بلکہ دنیا میں زُہد یہ ہے کہ بندہ اُمید مختصر رکھے۔ (مشکوٰۃ)

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ دنیا میں زُہد کیا ہے؟ انہوں نے خلاصہ ارشاد فرمایا، ''پاکیزہ رزق اور مختصر اُمید''۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

پس اس حدیث پاک کا پیغام یہی ہے کہ ہم یقین اور زُہد کی صفات پیدا کرنے کی جدوجہد کریں اور پھر ان صفات کی حفاظت کی فکر رکھیں۔

83

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتایئے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور تمام لوگ بھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے رغبت ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کریں گے''۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حبیبِ کبریا ﷺ نے بہت آسان نسخہ ارشاد فرمایا کہ تم رب کی یاد سے غافل کرنے

والی دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ یعنی تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے دنیا کی چاہت سے خالی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اور جب تم لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے تو پھر لوگ تم سے محبت کریں گے۔

﴿84﴾

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ! مجھے نہایت مختصر نصیحت فرمایئے۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جب تم نماز پڑھو تو رخصت ہونے والے جیسی پڑھو، اور ایسی بات نہ کہو جس پر معذرت کرنی پڑے، اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اُس سے پوری طرح مایوس ہو جاؤ''۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جانِ کائنات ﷺ کی یہ مختصر مگر جامع نصیحت تین باتوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ نماز ایسے پڑھا کرو جیسے وہ تمہاری زندگی کی آخری نماز ہے۔ اس طرح نماز میں خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے جو کہ نماز کی روح ہے۔

دوسری بات یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ یعنی فضول اور نازیبا بات منہ سے نہ نکالو تا کہ بعد میں شرمندگی نہ ہو۔ تیسری بات وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ لوگوں کے پاس موجود چیزوں کی خواہش کرنا چھوڑ دو۔ یہ تقویٰ کا خلاصہ ہے۔

﴿85﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی نعمت عطا ہوئی ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اسے حکمت دی گئی ہے''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اللہ تعالیٰ جسے حکمت و دانائی عطا فرماتا ہے، اُسے مذکورہ دوصفات عطا فرماتا ہے۔

ایک دنیا سے بے رغبتی جو کہ زُہد وتقویٰ کی اصل ہے اور اس کے سبب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ دوسری صفت ہے، کم بولنا۔ بندہ جس قدر کم بولے گا اُسی قدر اس کے زبان سے صادر ہونے والے گناہ کم ہوں گے۔

زبان سے غیبت، جھوٹ، چغلی، عیب جوئی وغیرہ کئی کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا، ''جو خاموش رہا، وہ نجات پا گیا''۔ (مشکوٰۃ) پس ان دو صفات کا مالک رب تعالیٰ کا محبوب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ ایسے ولی اللہ کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔

﴿86﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾

''اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہے، اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے''۔

پھر فرمایا، جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کی گئی، کیا یہ بات جاننے کی کوئی نشانی ہے؟ فرمایا، ہاں! دھوکہ کی جگہ سے دور رہنا، دائمی گھر کی فکر کرنا اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

دھوکہ کی جگہ سے ''دنیا'' مراد ہے، اور دائمی گھر سے مراد ہے ''آخرت''۔ مومن کے سینے میں جب نور داخل ہوتا ہے تو پہلی نشانی یہ ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ پھر اس کے افکار میں اور اس کے اعمال میں آخرت کی فکر غالب ہو جاتی ہے۔ تیسری علامت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ موت آنے سے پہلے نیک اعمال اور عبادات کا سامان جمع کرنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسولِ معظم ﷺ نے انہیں یمن روانہ فرمایا تو آپ انہیں الوداع کرنے کے لیے نکلے۔ حضور ﷺ نے انہیں وصیت فرمائی جبکہ معاذ سوار تھے اور آپ پیدل ساتھ چل رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو فرمایا،

''اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے مل نہ سکو۔ اور شاید تم آؤ تو میری مسجد یا میری قبر پر آؤ''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آقا کریم ﷺ کی جدائی کے خیال سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر آقا و مولیٰ ﷺ نے اُن سے چہرۂ اقدس پھیر کے مدینہ طیبہ کی طرف کرلیا اور فرمایا،

''لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جو متقی ہیں خواہ وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں''۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو اپنے صحابی اور شاگرد سے اس قدر محبت تھی کہ وہ سوار تھے اور آپ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اس میں نائبینِ رسول کے لیے بہترین سبق ہے۔ ''عَسٰی'' اور ''لَعَلَّ'' کا معنی عموماً ''شاید'' ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کے کلام میں یہ ''یقیناً'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس حدیث میں پانچ غیبی خبریں ہیں۔ میں عنقریب وصال پا جاؤں گا، میرا وصال مدینہ منورہ میں ہوگا، میری قبر مسجد نبوی میں ہوگی، حضرت معاذ حضور ﷺ کی زندگی میں وفات نہیں پائیں گے، بلکہ قبر انور کی زیارت کو آئیں گے۔

حدیث پاک کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے کی وجہ سے آقا کریم ﷺ بھی آبدیدہ ہوگئے اور آپ نے چہرہ مبارک ان کی طرف سے پھیر لیا تاکہ وہ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں۔

آپ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میرا ہر اُمتی جو متقی ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی ہو،

دُور ہونے کے باوجود میرے قریب ہے۔ اور جو کوئی متقی نہ ہو، وہ بظاہر میرے قریب ہی ہو، خواہ میرے شہر ہی میں کیوں نہ رہتا ہو، حقیقت میں وہ مجھ سے دور ہے۔

﴿88﴾

حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''تم میں سے کوئی بھی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والدین، اُس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں''۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان)

محبت کی اہم ترین علامت اطاعت ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے سچی محبت رکھتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کی اطاعت نہ کرے، کیونکہ سچی محبت کرنے والا دل و جان سے اپنے محبوب کی بات مانتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ محبوب کی پسند محبّ کو پسند نہ ہو اور اس کی ناپسندیدہ بات محبّ کو اچھی لگتی ہو۔ پس جو کوئی آقا و مولیٰ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے اور دن رات ڈٹ کر ان کی نافرمانیاں کرے وہ یقیناً محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

﴿89﴾

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کہ حضرت عمر نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! کوئی بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اس کی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں''۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، خدا کی قسم! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا، اے عمر! اب تیرا ایمان کامل ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور، مسند احمد، شعب الایمان)

جب مومن کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت پختہ ہو جاتی ہے تو قرآن وسنت کی پیروی اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ پھر وہ بندہ اتباعِ رسول ﷺ کا پیکر بن جاتا ہے اور اس کے دل و دماغ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو سے مہکنے لگتے ہیں۔

اَلاَ یَا مُحِبَّ الْمُصْطَفٰی زِدْ صَبَابَتَهٗ   وَضَمِّخْ لِسَانَ الذِّکْرِ مِنْکَ لِطِیْبِهٖ

وَلاَ تَعْبَانِ بِالْمُبْطِلِیْنَ فَاِنَّمَا   عَلَامَةُ حُبِّ اللّٰهِ حُبُّ حَبِیْبِهٖ

''اے عاشقِ مصطفیٰ ﷺ! خبردار ہو جا۔ تو اُن کے عشق میں خوب ترقی کر اور اپنی زبان کو آقا کریم ﷺ کے ذکر کی خوشبو سے خوب معطر کر۔ اور اہلِ باطل کی ہرگز پرواہ نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت، اُس کے حبیب کی محبت ہے''۔

(90)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کی، میں نے کوئی تیاری نہیں کی، صرف اتنی بات ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، تو اُنہی کے ساتھ ہے جن سے محبت کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اسلام لانے کے بعد میں نے مسلمانوں کو اتنا کسی بات پر خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا وہ اس بات پر خوش ہوئے۔ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا، میں نبی کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان حضرات جیسے نہیں ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ جو اپنے آقا و مولیٰ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ، اور ان کے صحابہ و

اہلبیت کی محبت سے اپنے سینوں کو آباد رکھتے ہیں۔

﴿91﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ اُس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی گروہ سے محبت رکھتا ہے مگر وہ اُن کے ساتھ مل نہیں سکا۔ (یعنی اُن کی صحبت حاصل نہ ہوئی یا اُس نے اُن جیسے اعمال نہ کیے) آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے اُسے محبت ہے''۔ (بخاری، مسلم)

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں سے محبت اچھا بنا دیتی ہے اور ایسے شخص کا حشر اُن نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس انبیاء کرام، اولیاء اور صالحین سے محبت کیجیے کہ یہ محبت جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

﴿92﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے (عرش کے) سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہے، میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا''۔
(صحیح مسلم)

رب تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''کہاں ہیں میرے وہ بندے'' اس لیے نہیں کہ وہ بندے رب کریم سے پوشیدہ ہوں گے، بلکہ اس لیے ہے کہ اس فرمانِ عالیشان کو سن کر تمام اہلِ محشر جان لیں کہ اللہ کی خاطر محبت کرنے والوں کا مقام ومرتبہ کتنا بلند ہے!

﴿93﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،

3

''اللہ تعالیٰ کے بعض بندے وہ ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں مگر قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے قربِ الٰہی کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتائیے وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا،

وہ لوگ وہ ہیں جو کسی رشتہ داری کے بغیر اور کسی مالی لین دین کے بغیر، محض اللہ کے دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ قیامت کے دن جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، یہ لوگ بے خوف ہوں گے اور جب لوگ غم میں مبتلا ہوں گے، یہ بے غم ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''خبردار رہو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم''۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق کی وجہ سے یا دینِ اسلام سے تعلق کے سبب آپس میں محبت رکھنا اتنی اہم ایمانی خوبی ہے کہ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور قیامت کے دن انہیں ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا کہ انبیاء اور شہداء ان خوش نصیبوں پر رشک کریں گے۔

﴿94﴾

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''جو لوگ میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں، میرے لیے مل کر بیٹھتے ہیں، میری وجہ سے آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور میری خاطر مال خرچ کرتے ہیں، اُن کے لیے میری محبت واجب ہوگئی''۔ (موطا امام مالک، مشکوٰۃ)

یہ مضمون کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ تعالیٰ ہی کے

لیے عداوت، کامل ایمان کی نشانی ہے۔ جو کسی سے محبت کرتے ہیں تو اللہ کے لیے، کسی سے ملتے ہیں تو اللہ کے لیے، کسی کے پاس بیٹھتے ہیں تو اللہ کے لیے اور کسی پر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے لیے، ایسے کامل مومن اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو جاتے ہیں۔

﴿95﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا،

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے''۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

دوست کے دین پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہوگا تو ایک کے افکار و نظریات دوسرے پر بھی اثر انداز ہونگے اور یوں کسی کی گمراہی دوسرے کو راہِ حق سے بھٹکا دے گی، لہٰذا صحیح عقائد رکھنے والوں سے دوستی کرنی چاہیے۔

﴿96﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''بہت سے بکھرے بالوں والے اور دروازوں سے دھتکارے جانے والے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کرتا ہے''۔

(مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی غریب و خستہ حال کو حقیر مت سمجھنا، کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے حال میں بھی رہتے ہیں تا کہ دنیا دار لوگ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر اللہ کی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے ویسا ہی کرتا ہے۔

﴿97﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''میں نے جنت میں جھانکا تو وہاں اکثر غریبوں کو پایا اور جب میں نے دوزخ میں جھانکا تو وہاں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا''۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

غربت اور مفلسی عیب نہیں بلکہ مال کا کم ہونا غریبوں کے لیے گناہ کم ہونے، حساب کم ہونے اور آخرکار جنت میں جانے کا سبب بن جائے گا۔آج بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ مساجد اور دینی مدارس اکثر غریبوں سے آباد ہیں۔عورتوں کے جہنم میں کثیر تعداد میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اکثر ناشکری کرتی ہیں،غیبت اور عیب جوئی کے علاوہ عورتوں کی بے پردگی جہنم میں لے جانے کی اہم وجہ ہے۔

98

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا کی،

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین کی حالت میں وفات دے اور میرا حشر مساکین کے ساتھ فرما''۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ غیب دان رسول ﷺ نے فرمایا،

''مسکین لوگ اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔اے عائشہ! مسکین کو خالی نہ لوٹانا، خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی دے دینا۔اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرنا اور انہیں قریب رکھنا،تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تمہیں اپنا قرب عطا فرمائے''۔

(ترمذی،بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

رحمتِ عالم ﷺ نے معاشرے کے کمزور افراد خصوصاً مساکین کے ساتھ ہمیشہ شفقت و رحمت کا سلوک کیا اور اپنی امت کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔

99

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''مجھے اپنے ضعیف و کمزور لوگوں میں تلاش کیا کرو کیونکہ انہی ضعیف و کمزور لوگوں کے سبب تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے''۔ (ابو داؤد)

مفہوم یہ ہے کہ میری محبت اور رضا کو کمزور لوگوں کی رضا کے ذریعے تلاش کرو۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے کہ ''تمہارے کمزور لوگوں کے سبب تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے وسیلے سے بعض لوگوں کو رزق اور مدد عطا فرماتا ہے۔ مقبول بندوں کے وسیلے سے دعا کرنا خود محبوبِ خدا ﷺ کی سنت ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الفقراء میں ہے،

''نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین صحابہ کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگتے تھے''۔

﴿100﴾

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ''آلِ محمد ﷺ نے کبھی ایک دن میں دو کھانے نہیں کھائے مگر ان میں سے ایک کھانا کھجوریں ہوتی تھیں''۔

(بخاری کتاب الرقاق)

﴿101﴾

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ''آلِ محمد ﷺ نے کبھی متواتر دو دن جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہانتک کہ رسولِ معظم ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے''۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

﴿102﴾

آپ ہی کا ارشاد ہے، ''ہم پر دو دو مہینے گزر جاتے اور نبی کریم ﷺ کی ازواج کے گھروں میں چولہا نہ جلتا۔ صرف کھجوریں اور پانی ہی ہمارا کھانا ہوتا''۔

(بخاری کتاب الرقاق)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ مالکِ کونین ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ

نے اور آپ کے گھر والوں نے کبھی متواتر دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا، نہ ہی کبھی ایک دن میں دو بار کھانا کھایا، البتہ دوسری بار کھانے کو کھجوریں میسر آ جاتیں تو کھا لیتے۔ ایسا بھی ہوا کہ کبھی دو دو ماہ تک کاشانہ مبارک میں چولہا نہیں جلا، اتنا عرصہ صرف کھجور اور پانی پر گزارا کیا گیا۔ آج ہمیں رب تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں پا کر بھی اُس کا شکر ادا کرنے کی فرصت نہیں، تعجب ہے۔

﴿103﴾

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر کبھی میدہ نہیں دیکھا۔ ان سے پوچھا گیا، کیا آپ کے زمانے میں چھلنیاں تھیں؟ فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ آپ جَو کے آٹے کا کیا کرتے تھے؟ فرمایا، ہم اسے پھونک مارتے، جو اُڑنا ہوتا، اُڑ جاتا۔ پھر پانی ڈال کر اسے گوندھ لیتے۔ (ترمذی ابواب الزہد)

آقا و مولیٰ ﷺ نے رب تعالیٰ کی ہر نعمت کی قدر کی اور عیش پسندی سے اجتناب کیا تاکہ آپ کے امتی آپ کی اتباع میں عیش پسندی سے منہ پھیرے رہیں۔

﴿104﴾

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''میرے رب نے مجھے پیشکش کی کہ میں تمہارے لیے مکہ کی ساری زمین کو سونا بنا دوں؟ میں نے عرض کی، یا رب! نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز شکم سیر۔ جب بھوکا رہوں تو تیرے حضور عاجزی کروں اور تجھے یاد کروں۔ اور جس دن شکم سیر ہوں اُس دن تیری حمد اور تیرا شکر کروں''۔

(مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آقا کریم ﷺ نے اپنے لیے فقر و فاقہ کو خود پسند فرمایا تھا ورنہ آپ چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے۔ ایسا کرنے میں

امت کے لیے تعلیم ہے کہ وہ جب کسی آزمائش میں ہو تو عاجزی اختیار کرے اور صبر کرے اور جب آسانی ملے تو رب کا شکر ادا کرے۔

﴿105﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی،
''اے اللہ! آلِ محمد ﷺ کو اتنا رزق عطا فرما جو انہیں اُس دن کے لیے کافی ہو''۔
(بخاری کتاب الرقاق)

یعنی اس قدر رزق ملتا رہے جو گزارہ کے لائق ہو اور انہیں لوگوں سے بے نیاز کر دے۔ اس حدیث پاک میں امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق مال پر قناعت کریں اور ضرورت سے زائد کی ہوس نہ رکھیں۔

﴿106﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پاس بُھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انہوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا،

''ہمارے آقا و مولیٰ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے کبھی پیٹ بھر کر جَو کی روٹی بھی نہ کھائی''۔ (بخاری، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اُن کے انکار فرمانے کی وجہ یہی تھی کہ انہیں اُس وقت اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بھوک اور غذا یاد آ گئی۔ پس اُن کا دل بُھنی ہوئی بکری کھانے کی طرف مائل نہ ہوا۔ گویا آقا کریم ﷺ کی محبت میں انہوں نے کھانے سے معذرت کر لی۔

﴿107﴾

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آقا کریم ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے تو اصحابِ صُفّہ میں سے کئی اصحاب بھوک کے سبب کمزوری کی وجہ سے گر

پڑتے۔ اعراب کہتے کہ یہ لوگ پاگل ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو ان کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے، ''اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے کیا اجر ہے تو تم فقر اور فاقہ کا اضافہ چاہتے''۔ (ترمذی ابواب الزہد)

مسجد نبوی شریف سے متصل ایک چبوترہ تھا جس پر رہنے والے صحابہ کو اصحابِ صُفہ کہتے ہیں۔ ان اصحاب نے خود کو دین سیکھنے سکھانے کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ ان کی غربت کا عالم یہ تھا کہ بھوک کے سبب گر پڑتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس قمیص نہ تھی، ایک تہبند یا کمبل وہ اپنے گردن سے باندھے رہتے جس کی چوڑائی اتنی کم ہوتی کہ رکوع وسجدہ کے وقت وہ اسے ہاتھ سے تھام لیتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔

یہ ہیں اسلام کے اولین جانثار اور شمعِ رسالت کے پروانے۔ افسوس کہ آج بیشمار نعمتوں کے باوجود ہمارے پاس دین سیکھنے کے لیے وقت نہیں!!!

﴿108﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا،

''وہ کامیاب ہوگیا جو مسلمان ہوا اور اسے بقدرِ کفایت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اُس رزق پر قناعت عطا فرمادی''۔ (مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت اور ضرورت کے مطابق مال عطا فرمایا اور اس نے کم مال پر قناعت کی، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی ہوا۔ اور جو اللہ سے راضی ہو، اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوجاتا ہے۔ ایسا مومن فلاح پانے والا ہے۔

﴿109﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''ان چیزوں کے سوا انسان کا کسی اور چیز میں حق نہیں۔ یعنی رہنے کے لیے گھر،

ستر چھپانے کے لیے کپڑا اور پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور پانی''۔

(ترمذی ابواب الزہد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

گھر سے مراد گھر میں رہنے کا بقدرِ ضرورت سامان بھی ہے۔ قیامت کے دن ان چیزوں کا حساب نہیں ہوگا کیونکہ یہ زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔

﴿110﴾

حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے دل میں امن وسکون، جسم میں تندرستی اور اس کا دن کا کھانا اس کے پاس ہو تو گویا پوری دنیا تمام سامان کے ساتھ اس کے پاس جمع کر دی گئی''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

جس نے ایسے گناہ ہی نہ کیے ہوں کہ اس کا دل عذاب کے خوف میں مبتلا ہو یعنی اُسے دل کا چین وسکون حاصل ہو۔ سکونِ قلب کتنی بڑی نعمت ہے اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہو۔ پس جس کے پاس دل کا سکون، جسم کی صحت اور اُس دن کا کھانا موجود ہو، اُس کے پاس کسی نعمت کی کمی نہیں۔

﴿111﴾

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا،

''آدمی نے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہ بھرا۔ حالانکہ آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہوتے ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں۔ اگر زیادہ ضرورت ہو تو تہائی حصے میں کھانا، تہائی حصے میں پانی اور تہائی حصہ سانس کے لیے رکھے''۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

بہتر تو یہ ہے کہ انسان کھانا زندہ رہنے کے لیے بقدرِ ضرورت کھائے۔ اگر زیادہ کھانے کی خواہش ہو تو پھر تہائی حصہ کھانا کھا سکتا ہے۔ اس نسخے پر عمل کرنے میں کئی

بیماریوں سے حفاظت ہے۔صوفیاء نے کم کھانے کے ۱۰ افائدے بتائے ہیں۔جسمانی صحت، قلب کی صفائی، طبیعت کی چستی، دل کی نرمی،مزاج میں انکساری، تکبر سے دُوری، گناہوں میں کمی، اوسط نیند، عبادات میں رغبت اور ذکر الٰہی میں لذت۔

﴿112﴾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ڈکار لیتے ہوئے سنا تو فرمایا،

''اپنی ڈکاروں کو کم کرو۔ کیونکہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ بھوکے وہی ہونگے جو دنیا میں بہت زیادہ پیٹ بھرتے ہیں''۔

(ترمذی،شرح السنہ،مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

دنیا میں بہت زیادہ کھانے والے اکثر بیمار رہتے ہیں۔موٹاپا بذاتِ خود ایک بیماری ہے اور کئی بیماریوں کا سبب بھی۔ ایسے لوگوں کو نیند بھی زیادہ آتی ہے اور عبادات میں رغبت بھی کم ہوتی ہے۔ جب بندے کا زیادہ وقت سونے اور علاج معالجہ میں گزرے گا تو اس کے پاس نیک اعمال کا وقت بہت کم ہوگا۔قیامت کے دن ایسے لوگ مشکل میں ہوں گے لہٰذا آج نفسانی خواہشات پر قابو پانا ضروری ہے۔

﴿113﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن بندے سے جن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے ان میں سے پہلا سوال یہ ہوگا، کیا ہم نے تجھے صحت وتندرستی نہیں دی تھی؟ اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہ کیا تھا؟''۔(ترمذی،مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحت وتندرستی دنیاوی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے کیونکہ یہ دیگر تمام نعمتوں کے استعمال کرنے کا ذریعہ ہے۔ چلنا پھرنا، سننا

بولنا، سمجھنا دیکھنا اور ہر قسم کی غذا کھانا پینا، یہ سب نعمتیں تندرستی پر موقوف ہیں۔ پانی ایک نعمت ہے پھر وہ ٹھنڈا بھی ہو، اس کی قدر گرمی کے موسم میں معلوم ہوتی ہے۔ ان نعمتوں کے متعلق دیگر نعمتوں سے پہلے پوچھا جائے گا۔

﴿114﴾

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن آدمی کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے یہاںتک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق پوچھ نہ لیا جائے۔ زندگی کیسے بسر کی، جوانی کن کاموں میں گذاری، مال کیسے کمایا، اور مال کہاں خرچ کیا، جو جانتا تھا اُس پر کتنا عمل کیا''۔

(ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

کسی بھی امتحان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عین امتحان کے وقت سوالات بتائے جاتے ہیں تاکہ امیدوار کی صحیح قابلیت کا پتہ چل سکے۔ سب سے بڑا امتحان جو ہر انسان کو لازمی دینا ہے وہ قبر و حشر کا امتحان ہے جس کا پرچہ اللہ تعالیٰ اور رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت سے چودہ سو سال پہلے آؤٹ کیا جا چکا۔ قبر کے تین سوال سب کو معلوم ہیں اور حشر کے پانچ سوال اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ زندگی ختم ہونے سے پہلے ان کی تیاری کر لیجیے۔ اس امتحان کی کامیابی ہی فلاحِ دارین ہے۔

مذکورہ پانچ سوالوں کے صحیح جواب دیے بغیر آدمی کی نجات نہ ہوگی۔ پہلا سوال یہ ہے کہ زندگی غفلت میں گزاری یا اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں؟

غافل انسان یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جب سر کے بال سفید ہو جائیں تب بھی وہ خود کو جوان ظاہر کرنے کے لیے سیاہ خضاب لگا کر بالوں کو سیاہ کرتا رہتا ہے حالانکہ سیاہ خضاب حرام ہے۔ دراصل شیطان آدمی کو یہ احساس نہیں ہونے دیتا کہ اب اس کی موت کا وقت قریب آ رہا ہے۔ اسی لیے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ ابھی

بہت وقت پڑا ہے، پھر کسی وقت توبہ کرلیں گے۔ اسی طرح غفلت میں زندگی گزر جاتی ہے۔ اس زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہوگا۔

دوسرا سوال ہوگا، جوانی کن کاموں میں گنوائی ؟ اگرچہ جوانی زندگی کا ہی ایک حصہ ہے لیکن چونکہ اس وقت انسان کی تمام قوتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں اس لیے جوانی کے متعلق خاص سوال ہوگا۔

جوانی کا دور بننے یا بگڑنے کا دور ہوتا ہے۔ یہ زمانہ جذبات کے تلاطم کی وجہ سے بطورِ خاص آزمائش کا ہوتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بے داغ جوانی والے نوجوانوں کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہونگے۔

مال کے متعلق پوچھا جائے گا کہ کیسے کمایا؟ حلال ذریعے سے یا حرام۔ انسان سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا مال کمایا اور تمہاری جائیداد کتنی تھی؟ وہاں عزت کا معیار زیادہ مالدار ہونا نہیں بلکہ زیادہ متقی ہونا ہے۔ اگر یہ مال رشوت، سود، دھوکے یا کسی اور حرام ذریعے سے کمایا تو اُس دن جواب دینا ہوگا۔

پھر جو مال کمایا تھا وہ کہاں خرچ کیا؟ رب کی اطاعت میں یا نافرمانی اور گناہ کے کاموں میں۔ اس مال میں غریب و مسکین لوگوں کا بھی حق تھا۔ کیا ان حق داروں کو ان کا حق دیا؟ پھر اللہ کی راہ میں، مسجد و مدرسے کے لیے کیا خرچ کیا؟

آخری سوال یہ ہوگا کہ جو علم سیکھا، اُس پر کتنا عمل کیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ لاعلمی رب کی پکڑ سے بچا لے گی۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے، قیامت میں تم سے سوال ہوگا کہ تم عالم تھے یا جاہل؟ اگر تم نے کہا، عالم۔ تو پھر سوال ہوگا، تم نے اپنے علم پر عمل کیا کیا؟ اور اگر تم نے کہا، میں جاہل تھا۔ تو ارشاد ہوگا، تم جاہل کیوں رہے؟ تمہیں کیا عذر تھا؟ ایک اور حدیث پاک میں ہے، ''علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم دین سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔

﴿115﴾

اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے، رسولِ معظم ﷺ کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے کائنات کے مالک و مختار ہیں مگر سادگی اور انکساری کا یہ عالم ہے کہ چمڑے کا بستر اور اس میں کھجور کی چھال!!

﴿116﴾

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ چٹائی پر سوئے۔ جب اُٹھے تو آپ کے جسم اقدس پر اس کے نشانات تھے۔ میں نے عرض کی،

یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے بستر بچھا دیا کریں اور بہتر انتظام کر دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا،

"مجھے دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں کچھ دیر ٹھہرے اور پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے"۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس میں اُمت کے لیے تعلیم ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں میں مبتلا ہو کر اپنی اصل منزل یعنی آخرت سے غافل نہ ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ دنیا سے تعلق ایسا ہونا چاہیے جیسے کوئی سوار کچھ دیر کے لیے کسی درخت کے سائے میں ٹھہرتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

﴿117﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ کھجور کی چٹائی پر لیٹنے کی وجہ سے آقا و مولیٰ ﷺ کے جسم مبارک پر نشانات ہیں۔ آپ چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ آپ کی امت کے لیے وسعت فرمائے کیونکہ فارس اور روم والوں پر بڑی وسعت ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ ارشاد فرمایا، ''اے عمر! یہی کافی ہے۔ ان کو دنیاوی زندگی ہی میں ان کی نعمتیں دے دی گئی ہیں''۔ دوسری روایت میں ہے، ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ دنیا اُن کے لیے ہو اور آخرت ہمارے لیے''۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حبیبِ کبریا ﷺ نے دنیا کی نعمتوں کو بہت کم استعمال فرمایا تاکہ اُمت بھی دنیاوی آسائشوں سے بے رغبت ہو اور آخرت کی فکر کرے۔ آپ نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم بھی دی کہ دنیا میں کسی کافر و فاسق کے پاس زیادہ نعمتیں دیکھ کر اسے اللہ کا پسندیدہ نہ سمجھنا، اصل عیش تو آخرت کا ہے۔ سچ کہا کسی نے، ''عید اُس کی نہیں جو نئے کپڑے پہن لے۔ بلکہ عید اُس کی ہے جو عذاب سے محفوظ رہے''۔

﴿118﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے انسان! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ غنا سے مالا مال کر دوں گا اور تیری مفلسی دور کر دوں گا۔ اور اگر تو یہ نہ کرے گا تو تیرا ہاتھ مصروفیات سے بھر دوں گا مگر تیری غربت کو دور نہیں کروں گا''۔

(مسند احمد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یعنی اے بندو! تم میری عبادت کے لیے اپنی دنیاوی مصروفیات سے فارغ ہو جاؤ۔ نماز سے مت کہو، مجھے کام ہے بلکہ کام سے کہو، مجھے نماز پڑھنی ہے۔ میں تمہیں مخلوق سے بے نیاز کر دوں گا۔ اگر دنیاوی مصروفیات نے تمہیں میری عبادت سے روکے رکھا تو تم انہی مصروفیات میں پھنسے رہو گے اور تمہاری مفلسی ختم نہیں ہوگی۔ اگر

تمہارے پاس مال بھی ہو تب بھی تمہاری پریشانیاں ختم نہیں ہونگی۔

ایک مسجد کے باہر یہ تحریر تھا، ''تمہارے رب کے پاس تمہیں دینے کے لیے بہت کچھ ہے، کیا تمہارے پاس لینے کے لیے کچھ وقت ہے''۔

﴿119﴾

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ تھوڑے رزق پر اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرے۔ ایسا بندہ جب کم نیکیاں لے کر رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو رب تعالیٰ اپنی شانِ کریمی سے اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

﴿120﴾

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے پہلو میں دو فرشتے یہ اعلان جنوں اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق کو سناتے ہیں، اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ۔ جو تھوڑا اور کفایت کرنے والا ہو، وہ اس سے اچھا ہے جو زیادہ ہو اور غافل کرنے والا ہو''۔

(ابو نعیم فی الحلیۃ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

وہ مال جو مقدار میں کم ہو مگر بقدرِ ضرورت کفایت کرے، وہ اُس کثیر مال و دولت سے یقیناً بہت زیادہ بہتر ہے جو بندے کو اپنے رب سے غافل کر دے، اُس کی بندگی کی حلاوت سے محروم کر دے اور اُسے آخرت کی فکر سے بے پرواہ بنا دے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ مومن بندہ بہت محبوب ہے جو غریب و مفلس ہو اور بیوی بچوں والا ہونے کے باوجود باعفت ہو۔ (ابن ماجہ)

یعنی نہ تو وہ کسی سے سوال کرے اور نہ ہی ناجائز طریقہ اختیار کرے۔

﴿121﴾

حضرت اُمِّ دَرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے عرض کی، کیا وجہ ہے کہ آپ اس طرح مال تلاش نہیں کرتے جیسے فلاں تلاش کرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا، میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تمہارے سامنے سخت دشوار گھاٹی ہے، بھاری بوجھ والے اس گھاٹی سے گزر نہیں سکیں گے"۔ پس میں یہ چاہتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے ہلکا رہوں۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہاں سخت دشوار گھاٹی سے مراد موت، قبر اور قیامت کی مشکلات ہیں۔ جس طرح زیادہ بوجھ والے گھاٹی مشکل ہی سے عبور کرتے ہیں اسی طرح جس کے پاس مال زیادہ ہو، اسے موت کے وقت نزع کی تکلیف کے ساتھ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے اور قیامت میں اس کا حساب بھی زیادہ ہوگا۔ اسی لیے حدیث پاک میں ارشاد ہے، فقراء امیروں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، "اے ابوذر! کشتی کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلو کیونکہ سمندر بہت گہرا ہے، اور مناسب زادِراہ جمع کرلو کیونکہ سفر بہت طویل ہے، اور سامانِ سفر کا بوجھ ہلکا رکھو کیونکہ گھاٹی بہت دشوار ہے، اور ہر کام میں اخلاص پیدا کرو کیونکہ پرکھنے والا بڑا دانا ہے"۔ (المنبہات)

﴿122﴾

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماموں حضرت ابو ہاشم رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے تو

ابو ہاشم رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ نے پوچھا، آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، کوئی تکلیف یا دنیا کی حرص؟ انہوں نے فرمایا، ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل آقا و مولیٰ ﷺ نے ہم سے ایک عہد لیا تھا اور میں اُس پر قائم نہ رہ سکا۔ پوچھا، وہ عہد کیا تھا؟ فرمایا،

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''تمام مال میں سے تمہارے لیے ایک خادم اور جہاد کے لیے ایک سواری کافی ہے''۔ جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے اس سے زیادہ جمع کیا ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

نبی کریم ﷺ سے جس عہد کا ذکر انہوں نے کیا، وہ خاص انہی کے لیے نہ تھا بلکہ وہ ساری اُمت کے لیے ہے اور اس میں ترکِ دنیا کی رغبت ہے۔ یعنی اگر تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو غم نہ کرو، اتنا مال کافی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کے لیے مال رکھنا ہی حرام ہے، ورنہ پھر زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی، حج، عمرہ وغیرہ عبادات کیسے ادا ہوں گی۔

ان صحابی کا رونا اور افسوس کرنا بھی عبادت ہے کہ یہ گریہ دراصل حضور ﷺ کے عشق و محبت میں ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کی ہر ادا اور ہر قول پیارا معلوم ہوتا ہے، جب وہ یاد آتے ہیں تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ (مراۃ)

﴿123﴾

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''میرے نزدیک میرے ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ قابلِ رشک وہ مومن ہے جو کم سامان والا، زیادہ نماز پڑھنے والا، رب کی خوب عبادت کرنے والا، خلوت میں بھی اس کی اطاعت کرنے والا ہو۔ وہ لوگوں میں گمنام ہو کہ اس کی طرف اشارہ نہ کیا جائے، اس کا رزق بقدرِ ضرورت ہو اور وہ اس پر صبر کرے''۔

پھر حضور ﷺ نے دست مبارک سے اشارہ کر کے فرمایا، ''اس کی موت جلد آجاتی

ہے، اس پر رونے والے کم ہوتے ہیں اور اس کی میراث تھوڑی ہوتی ہے‘‘۔
(احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے قابلِ رشک مومن کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ جب سامان کم اور لوگوں سے میل جول کم، تو دنیاوی مشاغل بھی کم اور رب کی عبادت زیادہ۔ پھر کمال یہ کہ رزق بقدرِ کفایت اور وہ اس پر صابر۔ جب وہ دنیا سے جلد چلا جائے تو اس کا ترکہ بھی کم اور رونے والے بھی کم۔ بلاشبہ اولیاء اللہ کی سیرت کے مختلف رنگ ہیں اور ہر رنگ خوبصورت۔

124

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا ارادہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا تو ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ ہم مہاجرین میں سے بعض صحابہ دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے مالِ غنیمت وغیرہ نہ پایا، ان میں سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

ان کے کفن کے لیے ان کی ایک چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب ہم اس چادر سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے اور جب ان کے پاؤں ڈھانپتے تو ان کا سر ننگا ہو جاتا۔ چنانچہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ان کا سر ڈھانپنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کے پاؤں پر اِذخر گھاس رکھ دی جائے۔ (بخاری کتاب الرقاق)

یہ قربانیاں ہیں آسمانِ ہدایت کے روشن ستاروں کی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بے پناہ مصائب سہہ کر اور قربانیاں دے کر اسلام کا درخت مضبوط کیا ہے۔ آج ہم انہی کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں۔

125

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے آقا و مولیٰ ﷺ سے بھوک کی شکایت

کی اور اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا۔ اس پر آقا کریم ﷺ نے اپنا کرتا مبارک ہٹایا تو آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

(ترمذی، کتاب الرقاق)

یعنی تمام صحابہ کو ایک ایک دن کا فاقہ تھا اور حضور ﷺ کو دو دن یا زیادہ کے لگاتار فاقے تھے۔ بہت روز تک نہ کھانے سے انسان میں کھڑے ہونے کی قوت نہیں رہتی، البتہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے کھڑا ہونا ممکن ہو جاتا ہے۔ (مراۃ)

﴿126﴾

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، یہ پاکیزہ وعمدہ ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد یاد آ رہا ہے جس میں اُس نے ایک قوم کا عیب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی خواہشات دنیا ہی میں پوری کر دی گئیں،

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (الاحقاف:۲۰)

یعنی ''تم نے اپنی دنیاوی زندگی میں اپنی مرضی کی چیزوں سے فائدہ اُٹھالیا''۔

مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔ پس آپ نے وہ پانی نہ پیا۔ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

آپ کی طبیعت پر خوفِ خدا کا اس قدر غلبہ ہوا کہ فرمایا، اگر میں یہ میٹھا پانی پی کر لذت حاصل کرلوں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں کافروں کی طرح ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں اس دنیا ہی میں نہ دے دیا جائے اور آخرت میں ہمارا کوئی حصہ نہ رہے۔

یہ خوفِ خدا کے غلبہ کی کیفیت تھی۔ اولیاء اللہ پر کبھی خوف کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور کبھی اُمید کا۔ لہٰذا صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کا دنیا کی بعض نعمتیں استعمال کرنا خوفِ خدا کے منافی نہیں۔

﴾127﴿

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''خدا کی قسم! مجھے تم پر فقر کا کوئی خوف نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی اور تم اس میں رغبت کرنے لگو جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کی اور تمہیں دنیا ہلاک کر دے جس طرح اُنھیں کیا''۔

(بخاری کتاب الرقاق)

﴾128﴿

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''میں تمہارا پیش رَو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اور اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں ہیں۔ اور اللہ کی قسم! بیشک مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے''۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشھید)

اس حدیث مبارکہ میں تین باتیں بڑی اہم بیان ہوئیں:

اول: حضور ﷺ اپنی امت پر گواہ یعنی حاضر و ناظر ہیں۔ اس عقیدہ کی آپ نے مزید وضاحت بھی فرما دی کہ میں مدینہ منورہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔

دوم: حضور ﷺ کو زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں یعنی رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمتوں کا مالک ومختار اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔

سوم: حضور ﷺ کی امت شرک نہیں کرے گی البتہ یہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائے گی۔ رسولِ معظم ﷺ کی فرمائی ہوئی دیگر پیشین گوئیوں کی طرح یہ غیبی خبر بھی پوری ہوئی اور مسلمان دنیاوی مال واسباب کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کو اپنی امت پر شرک کا اندیشہ نہیں تھا اور یہ بات آپ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ ارشاد فرمائی تا کہ بعد میں آنے والے فتنہ پرور لوگ اس میں شک پیدا نہ کر سکیں۔ عام مسلمان کے لیے جھوٹ بولنا جائز نہیں چہ جائیکہ اللہ کے نبی کی طرف ایسا برا گمان کیا جائے پھر اس پر نبی کریم ﷺ کا قسم ارشاد فرمانا، گویا ان حقائق کا انکار رسولِ معظم ﷺ کی نبوت و رسالت ہی کے انکار کے مترادف ہے۔

﴿129﴾

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

غیب کی خبریں دینے والے رسول ﷺ نے اس حدیث پاک میں یہ غیب کی خبر ارشاد فرمائی کہ میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دورِ صحابہ سے لے کر آج تک اس اُمت کا سب سے بڑا فتنہ مال ہی رہا ہے۔ اسی فتنہ کے سبب بندے آخرت سے غافل ہو کر اپنے رب کی نافرمانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کچھ بدمذہب مال و دولت ہی کے بل بوتے پر اپنے گمراہ عقائد سادہ لوح مسلمانوں پر مسلط کرتے ہیں اور کئی تو زمین پر فرعون بن کر فساد پھیلاتے ہیں۔

﴿130﴾

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے''۔ (مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ)

چونکہ دنیا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت سے غافل کر دے۔ اس لیے رب کریم جس بندے سے محبت کرتا ہے اُسے اِس ملعون دنیا سے اس

طرح بچاتا ہے جیسے ہم کسی ایسے مریض کو پانی سے بچاتے ہیں جسے پانی کی وجہ سے بیماری میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

﴿131﴾

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آقا کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ''سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو''۔ اُس نے تین بار عرض کی، ''اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں''۔

آپ نے فرمایا، ''اگر تم سچے ہو تو فقر پر صبر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر اُس سیلاب سے بھی زیادہ تیزی سے پہنچتا ہے جو اپنی انتہا کی طرف دوڑ رہا ہو''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہاں فقر سے مراد دل سے مال کی محبت کا نکل جانا ہے۔ یعنی حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جس کے دل میں میری سچی محبت ہو گی اس کے دل سے مال کی محبت نکل جائے گی پھر وہ اپنا مال رب کی راہ میں خرچ کرے گا اور دنیاوی آسائشوں سے منہ موڑ لے گا۔ پس تم ان آزمائشوں پر صبر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ فرمانِ الٰہی ہے،

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾

''کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی سی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں، ہم ایمان لائے، اور ان کی آزمائش نہ ہو گی''۔ (العنکبوت:۲، کنزالایمان)

﴿132﴾

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''آدمی دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ ایک تو وہ موت کو ناپسند کرتا ہے جبکہ موت مومن کے لیے فتنے سے بہتر ہے۔ دوسرے وہ مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے جبکہ مال کی

کی حساب کم کردے گی‘‘۔(مسند احمد،مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حقیقت یہی ہے کہ آدمی موت اور مال کی کمی کو پسند نہیں کرتا۔ایک طبقہ موت کو اس لیے ناپسند کرتا ہے کہ موت کی وجہ سے دنیا کی آسائشیں اور عیش وعشرت چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ یہ طبقہ اپنی زندگی میں عیش وعشرت کی کثرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور آخرت سے غافل رہتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توبہ سے محروم رہتا ہے۔

دوسرا طبقہ جو موت کو ناپسند کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنے بوڑھے والدین اور اپنے بیوی بچوں کے رزق کی فکر لاحق ہوتی ہے۔اس لیے اس طبقہ کے لوگ دن رات مال کمانے میں لگے رہتے ہیں تا کہ موت آنے کی صورت میں ان کے اہل و عیال کو مناسب مال میسر ہو سکے۔ یہ طبقہ بھی دنیا دار گناہگاروں کا ہے۔

تیسرے طبقے کے نزدیک موت کو ناپسند کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے نامۂ اعمال میں نیکیاں کم ہیں اور گناہ زیادہ۔پس وہ اپنے رب کو کیا منہ دکھائیں گے۔ یہ فکر انہیں مزید عبادت اور تقوی کی طرف مائل کرتی ہے۔یہ صالح لوگ ہیں۔

مال کی کمی کا فائدہ حدیث پاک میں یہ بیان ہوا کہ اس طرح آخرت کا حساب بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔انبیاء کرام،صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے دنیا کی نعمتیں کم سے کم استعمال کیں تا کہ محشر میں حساب کتاب میں آسانی رہے۔

134

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

’’جس نے حلال طریقے سے دنیا حاصل کی تا کہ بھیک مانگنے سے بچے، اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرے اور پڑوسی کے ساتھ تعاون کرے،وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یوں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔اور

جس نے حلال طریقے سے دنیا حاصل کی تاکہ فخر وتکبر اور دکھاوے کے لیے مال بڑھائے، تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہوگا"۔
(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اچھی نیت سے اور حلال طریقے سے مال کمانا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اسی لیے قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہوگا۔ اور غرور وتکبر اور دکھاوے کے لیے اگر کسی نے حلال طریقے سے بھی مال کمایا تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے۔

﴿135﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالک ومختار، حبیبِ پروردگار، سیدِ عالم، نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے،

"اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہوتو بھی میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس اس میں سے کچھ مال باقی ہو، سوائے اس کے کہ وہ قرض کی ادائیگی کے لیے رکھا ہو"۔ (بخاری کتاب الرقاق)

نبی کریم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ میں ایک اہم وصف جود وسخا ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی سائل نے آپ سے کچھ مانگا ہو اور آپ نے جواب میں منع فرما دیا ہو۔ آپ نے امت کو بھی اسی کی ترغیب دی۔ آپ کا ارشاد ہے،

"اللہ کی راہ میں بے حساب خرچ کرو، اللہ تعالیٰ بھی تمہیں بے حساب عطا فرمائے گا، اور اُس کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ نہ روکو ورنہ وہ بھی تم سے رزق روک دے گا۔ جس قدر ممکن ہو خیرات کیا کرو"۔ (بخاری، مسلم)

﴿136﴾

اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''تم اعمال میں میانہ روی اختیار کرو اور افراط وتفریط نہ کرو۔ اور جان لو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ تمام اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہو''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحب کام جو مسلمانوں پر لازم نہیں ہوتے، اُنہیں پابندی سے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ جیسے کہ مسلمان اپنے آقا و مولیٰ نبی کریم ﷺ کا میلاد مناتے ہیں، اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لیے محافل منعقد کرتے ہیں، اذان میں حضور ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور ہر جمعہ کو کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھتے ہیں۔

﴿137﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا''۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو بھی؟ آپ نے فرمایا، ''ہاں! لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ڈھانپ رکھا ہے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اس ارشادِ گرامی میں اُمت کے لیے نصیحت ہے کہ اپنے نیک اعمال پر فخر و ناز نہ کرنا، اور کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خود کو بے نیاز نہ سمجھنا۔

﴿138﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''اللہ تعالیٰ نے جب رحمت کو پیدا فرمایا تو اس کے سو حصے کیے۔ اللہ عزَّ وَجل نے رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس روک لیے اور تمام مخلوق کو ایک حصہ رحمت سے نوازا۔ اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی ساری رحمت کا علم ہو جائے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہو۔ اور اگر مومن کو اللہ تعالیٰ سارے عذاب کا علم ہو جائے تو وہ دوزخ سے کبھی امن میں نہ

رہے''۔(بخاری کتاب الرقاق)

مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جو رحمتِ الٰہی کی وسعت جان لے وہ کبھی جنت سے مایوس نہیں ہوسکتا اور جو عذابِ الٰہی کی شدت جان لے وہ کبھی جہنم سے بے خوف نہیں رہ سکتا۔ اصل سمجھنے کا نکتہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم جس قدر بھی گناہ گار ہو، اپنے مہربان رب کی بارگاہ میں آ کر توبہ کرلو، وہ بخش دے گا۔

ایک مسجد کی دیوار پر تحریر تھا،''اگر تم گناہوں سے تھک گئے ہوتو مسجد میں آ جاؤ کیونکہ تمہارے رب کی رحمت تمہارے انتظار میں ابھی تک نہیں تھکی''۔

﴿139﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایک اور حدیث پاک میں ارشادِ گرامی ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''۔

(بخاری کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک میں مومن کی تین نشانیاں بیان ہوئیں۔ وہ پڑوسی کو تکلیف نہ دے، مہمان کی عزت وخاطر کرے اور اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

﴿140﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''بندہ کبھی اچھا کلام کرتا ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے۔ یہ کلام بلا ارادہ ہوتا ہے اور اس کے عوض رب کریم اس کے درجات بلند فرماتا ہے۔ اور کبھی

بندہ سوچے سمجھے بغیر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات کہہ دیتا ہے اور اس کے سبب وہ جہنم میں گر پڑتا ہے"۔(بخاری کتاب الرقاق)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی زبان کی خوب حفاظت کرنی چاہیے۔زبان کی حفاظت سے متعلق حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔"جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے سارے اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوجائیں گے۔(ترمذی)

141

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

"وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لیے خالص کر دیا اور دل کو سلامت رکھا، اور اپنی زبان کو سچ بولنے والا، اپنے نفس کو اطمینان والا، اپنی طبیعت کو سیدھی راہ پر چلنے والا، اپنے کانوں کو حق بات سننے والا اور اپنی آنکھوں کو حق دیکھنے والا بنایا۔کان اور آنکھیں تو دل کا راستہ ہیں اُس چیز کے لیے جسے دل محفوظ کرتا ہے۔پس کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے دل کو حفاظت کرنے والا بنالیا"۔

(مسند احمد، بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

زبان، کان اور آنکھوں کی حفاظت کر کے ہی دل کو گناہوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔قرآن کریم میں ہے، ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا﴾ قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ تم نے ان سے کیا کام لیا۔(بنی اسرائیل:۳۶)

142

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جب بندہ دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل میں حکمت کا چشمہ جاری کر دیتا ہے جس کے ساتھ اُس کی زبان بولتی ہے اور اسے دنیا کے عیب دکھا دیتا ہے، نیز اس کی بیماریاں اور ان کے علاج سے آگاہ فرما دیتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کے ساتھ جنت کی طرف لے جاتا ہے''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

دنیا سے بے رغبت ہونے کے لیے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

جانِ کائنات سیدِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے، ''تم پر علماءِ حق کی مجالس کو اختیار کرنا اور اہلِ حکمت کی باتیں غور سے سننا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو نورِ حکمت سے اس طرح زندگی بخشتا ہے جس طرح بارش کے پانی سے مردہ زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے''۔ (المنبہات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتیں دل کی تاریکی سے پیدا ہوتی ہیں۔ بہت زیادہ کھاپی کر پیٹ بھرنا، بدمذہبوں اور فاسقوں کی صحبت اختیار کرنا، اپنے سابقہ گناہوں کو بھول جانا اور لمبی لمبی امیدیں قائم کرنا۔

اور چار چیزیں دل کی روشنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ حساب کتاب کے خوف سے بھوکا پیٹ رہنا، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا، اپنے گناہوں کو یاد کر کے استغفار کرنا اور اپنی امیدوں کو مختصر کرنا''۔ (المنبہات)

﴿143﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن سات قسم کے لوگ عرشِ الٰہی کے سائے میں ہونگے جبکہ اس کے سوا اُس دن کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے اللہ کو یاد کیا اور خوفِ خدا سے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اللہ تعالیٰ کا خوف بہترین نعمت ہے۔ اس حدیث پاک میں خوشخبری دی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور پھر خوفِ خدا سے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں، قیامت کے دن ایسا شخص عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوگا۔

﴿144﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''جس مسلمان کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے آنسو نکلیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں، اور وہ اس کے چہرے پر بہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام فرما دیتا ہے''۔ (ابن ماجہ)

مکھی کے سر کے برابر آنسو سے مراد ان کا قلیل ہونا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، جس نے مجھے ایک دن اخلاص سے یاد کیا ہو یا کسی جگہ میرے خوف سے ڈرا ہو، اُسے آگ سے نکال لو۔ (ترمذی)

﴿145﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ پر جلد بڑھاپا آ گیا۔ آپ نے فرمایا، مجھے سورہ ھود، سورہ واقعہ، **الْمُرْسَلٰت**، **عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ** اور **اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ** نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

ان سورتوں میں آخرت کے احوال، دوزخ کے عذاب اور مجرموں کے لیے سخت وعیدوں کا ذکر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خوف اور فکر جوانوں کو جلد بڑھاپے کی طرف لے جاتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا**﴾

یعنی قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ (المزمل: ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ان سورتوں کی تلاوت سے نبی کریم ﷺ پر خوفِ خدا اور فکرِ

آخرت کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی صحت پر ظاہر ہوتا۔آپ کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام پر بھی خوفِ خدا اور فکرِ آخرت طاری رہتی۔

﴿146﴾

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو نورِ مجسم رحمتِ عالم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے،

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اِس آندھی کی خیر و برکت، اور جو کچھ اِس میں ہے اُس کی خیر و برکت، اور جس مقصد کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اُس کی خیر و برکت۔اور میں پناہ مانگتا ہوں اِس آندھی کے شر سے، اور جو کچھ اِس میں ہے اُس کے شر سے، اور جس مقصد کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اُس کے شر سے''۔

جب آسمان پر بادل آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا، اور آپ کبھی باہر آتے، کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے۔پھر جب بارش ہو جاتی (اور بادل چلے جاتے) تو یہ کیفیت دُور ہو جاتی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا،

''اے عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ آندھی اور بادل کہیں اُس طرح کا نہ ہو جس طرح قومِ عاد کی طرف بھیجا گیا تھا۔اور قومِ عاد نے کہا تھا،

﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾

''پھر جب انہوں نے عذاب دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے میں پھیلا ہوا، ان کی وادیوں کی طرف آتا، تو بولے، یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا''۔

(بخاری، مسلم)

حدیث پاک میں مذکور آیت کے آخر میں ہے، ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ایک آندھی

ہے جس میں دردناک عذاب''۔(کنز الایمان)

اس حدیث کی روایت کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں یہ علم ہو جائے کہ ہمارے آقا کریم ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، امام الانبیاء ہیں، شافع محشر ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ عالم تھا کہ جب بھی تیز ہوا چلتی یا آسمان پر بادل نمودار ہوتے تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی حاصل ہونے کی دعا مانگتے اور اس کے شر سے پناہ طلب کرتے۔ جب معصوم ہونے کے باوجود حبیبِ کبریا ﷺ کا یہ حال تھا تو ہم گناہگاروں کو یقیناً رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ فرمانِ الٰہی ہے،

﴿اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ﴾

''بیشک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے''۔(البروج:۱۲)

﴿147﴾

حضرت نضر تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بار کالی آندھی چلی۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا، کیا ایسی کالی آندھیاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں بھی آتی تھیں؟ فرمایا،

''اللہ کی پناہ! اُس وقت ہمارا حال یہ تھا کہ ذرا سی ہوا تیز ہو جاتی تو ہم قیامت آنے کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔(ابوداؤد)

بیشک جس قدر علم زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورہ فاطر:۲۸ میں ارشاد ہوا، ﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾

''بیشک اللہ سے اُس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں، جو علم والے ہیں''۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جب کسی پرندے کو دیکھتے تو فرماتے، کاش! میں تیری طرح پرندہ ہوتا (تاکہ قیامت میں اعمال کے حساب سے بچ جاتا)۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوفِ الٰہی کے باعث کبھی کبھی قرآن پاک کی آیات سن کر بیہوش ہو جاتے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قبر

پر جا کر اتنا روتے کہ داڑھی بھیگ جاتی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اکثر شب بیداری کرتے اور خوفِ خدا کے باعث خوب آنسو بہاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے، کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ حدیث پاک بیان کی کہ ایک شخص کو جہنم سے ہزار سال بعد نکالا جائے گا۔ پھر فرمانے لگے، ''کاش وہ شخص میں ہی ہوں''۔ انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ خوف کے باعث وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے سے بیحد ڈرتے تھے۔ (احیاء العلوم)

148

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا،

''تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی معمولی اور حقیر) ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم ان اعمال کو ہلاک کرنے والے اعمال میں شمار کرتے تھے''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

صحابہ کرام کے دلوں میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ وہ معمولی اور ہلکے اعمال کو بھی مہلک سمجھتے اور ان سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کرتے، جبکہ ان کے بعد والے ان اعمال کو معمولی جان کر ان سے احتیاط نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کی اصل ہے''۔ بلاشبہ اگر خوفِ خدا نہ ہو تو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی حفاظت ممکن نہیں۔

149

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جو خود کو بہت گناہ گار سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر میری خاک سمندر میں بہا

دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رب تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو جمع کر کے فرمایا، تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کی، مجھے تیرے خوف نے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اس پر رب کریم نے اس کو بخش دیا''۔ (بخاری کتاب الرقاق)

اُس شخص کا اپنی میت کو جلانے کی وصیت کرنا ہرگز درست نہیں تھا لیکن چونکہ اس کا سبب محض اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اس لیے رب کریم نے اسے بخش دیا۔

﴿150﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا، ''بیشک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے حق ہے کہ وہ چر چرائے۔ قسم ہے اُس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس میں چار انگلیوں کے برابر جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدے کی حالت میں نہ ہو۔ اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر ازواج سے سکون حاصل نہ کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کرتے ہوئے جنگل بیابانوں کی طرف نکل جاتے۔

پھر حضرت ابوذر نے فرمایا، کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا''۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نورِ مجسم ﷺ کی سماعت و بصارت عام انسانوں جیسی نہیں۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ سے آسمان کی چر چراہٹ بھی سن لیتے ہیں اور اس کے ہر حصے پر سجدہ کرنے والے فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں تو ہم غلاموں کا درود و سلام سننا اور ہمارے احوال دیکھ لینا آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ عام انسانوں میں وہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ قبر یا جہنم کے عذاب کو دیکھ کر دنیا میں آرام وسکون کی زندگی گزار سکیں۔ یہ عظمت نبی کریم ﷺ ہی

کو حاصل ہے کہ قبر کے احوال، قیامت کی ہولناکیاں اور جہنم کے عذاب دیکھ کر بھی دنیا میں فرائضِ نبوت انجام دیتے رہے۔ آپ کی زبانِ اقدس سے بعض باتیں سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر یہ اثر ہوا کہ فرماتے، کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، تاکہ آخرت کے حساب کتاب کے لیے مجھے پیش نہ ہونا پڑتا۔

﴿151﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے جو دنیا سے رخصت ہونے والا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا،
تم اِس وقت خود کو کس حال میں پاتے ہو؟ اُس نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا حال یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید بھی ہے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے اُس کے عذاب کا خوف بھی ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
''جس کے دل میں ایسے وقت میں دونوں کیفیتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ رحمت عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ اُمید رکھتا ہے۔ اور اسے اُس عذاب سے محفوظ فرما دیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے''۔ (ترمذی)
اسی لیے ایک حدیث میں ایمان کو خوف اور اُمید کی درمیانی حالت فرمایا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا خوف اور اُس کی رحمت سے اُمید، دونوں مومن کی صفات ہیں۔

﴿152﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
''جو شخص اِس حال میں مر گیا کہ نہ اُس نے جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کی آرزو کی، تو اس کی موت نفاق کی ایک قسم پر ہوئی''۔ (صحیح مسلم)
معلوم ہوا کہ راہِ خدا میں جہاد عظیم نیکی ہے، اس کی تمنا ہر مومن کے دل میں ہونی چاہیے۔ جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے، مال، قلم اور زبان سے بھی، جیسا کہ ابوداؤد اور

نسائی کی حدیث میں ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے، جو اپنے مال کی حفاظت میں، یا جان کی حفاظت میں، یا دین کی حفاظت میں، یا اپنے بچوں کی حفاظت میں مارا جائے، وہ بھی شہید ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

﴿153﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''کون ہے جو مجھ سے چند باتیں سیکھ کر ان پر خود عمل کرے گا یا دوسروں کو سکھائے گا؟'' میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں ہوں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے یہ پانچ باتیں ارشاد فرمائیں،

''حرام چیزوں سے بچو، تم لوگوں میں بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔
جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا، اس پر راضی رہو، غنی ہو جاؤ گے۔
اپنے پڑوسی سے حسنِ سلوک کرتے رہو، تم کامل مومن بن جاؤ گے۔
لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے کرتے ہو، کامل مسلمان ہو جاؤ گے۔
اور زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے''۔

(مسند احمد، ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

اگر غور کیا جائے تو مذکورہ پانچ باتیں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ حرام اور ممنوع چیزوں سے بچنا تقویٰ ہے۔ رب تعالیٰ کی عطا پر راضی رہنا سکونِ قلب کا ذریعہ ہے۔ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کامل ایمان کی نشانی ہے۔ دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند ہو، یہ کامل مسلمان ہونے کی شرط ہے۔ آخری اہم بات یہ فرمائی کہ زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو فکرِ آخرت سے غافل بنا دیتا ہے۔

﴿154﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''مجھے میرے محبوب آقا و مولیٰ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا ہے، وہ یہ ہیں:
میں مسکینوں سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں،
اپنے سے کم حیثیت والے کو دیکھوں، اعلیٰ کو نہ دیکھوں،
رشتہ داروں سے اچھا سلوک کروں، اگر چہ دُور ہی کا رشتہ ہو،
کسی سے کچھ نہ مانگوں، اور ہمیشہ حق بات کہوں اگر چہ کڑوی ہو،
اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں،
اور یہ زیادہ پڑھا کروں، ﴿لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه﴾ ''نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ کی عطا سے''، کیونکہ یہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے''۔
(مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

پہلی دو باتیں اپنانے سے بندے میں صبر و شکر کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے والے کو ایک اور حدیث میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کسی سے کچھ نہ مانگنے سے بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

ہمیشہ حق بات کہنا اور راہِ خدا میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا سچا مومن ہونے کی علامات ہیں۔ ہمیں وہی بات کہنی چاہیے اور وہی کام کرنے چاہییں جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی رضا ہو خواہ دنیا والے ہمیں بُرا سمجھیں۔

''عرش کے نیچے کا خزانہ'' مومن کے افکار و اعمال کی اصلاح کرتا ہے اور اس کے ایمان کو درجۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہو تو نہ کوئی گناہوں سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی نیک اعمال کر سکتا ہے۔ گویا گناہوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی عطا سے بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔

﴿155﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''مجھے میرے رب نے اِن نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

میں اللہ سے ڈروں، خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی،

انصاف کی بات کہوں، غصے میں بھی اور رضامندی میں بھی،

میانہ روی اپناؤں، غریبی میں بھی اور امیری میں بھی،

میں اُس سے تعلق جوڑوں جو مجھ سے تعلق توڑے،

میں اُن لوگوں کو دوں جو مجھے میرے حق سے محروم کریں،

میں اُن کو معاف کروں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو،

اور مجھے یہ حکم دیا کہ میری خاموشی غور و فکر ہو،

میرا بولنا ذکرِ الٰہی ہو اور میرا دیکھنا عبرت ہو،

نیز میں اچھی باتوں کا حکم دوں اور بُری سے منع کروں''۔ (مشکوٰۃ)

رسولِ معظم ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی مذکورہ نو باتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے ان نو باتوں میں شریعت اور طریقت کی تمام اہم تعلیمات کو سمو دیا ہے۔ ہر حال میں انصاف پر قائم رہنا، میانہ روی اپنانا، تعلق توڑنے والے سے جوڑنے کی کوشش، محروم کرنے والوں کو عطا کرنا، ظلم کرنے والوں کو معاف کرنا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری سے منع کرنا حقوق العباد کے ضمن میں سنہری کرنوں کی مانند ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے خلوت و جلوت میں ڈرنا، غور و فکر پر مبنی خاموشی، ذکرِ الٰہی سے معمور گفتگو اور عبرت کی نگاہ جسے نصیب ہو جائے، وہ بلاشبہ اللہ کا ولی ہو جاتا ہے۔

156

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

نجات دلانے والی تین چیزیں یہ ہیں۔ اول: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ظاہر میں بھی اور

پوشیدہ بھی، دوم: حق بات کہنا خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی، سوم: میانہ روی اختیار کرنا خوشحالی میں بھی اور غربت میں بھی۔

اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔اول: وہ نفسانی خواہش جس کی پیروی کی جائے، دوم: وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے، اور سوم: انسان کا خود کو دوسروں سے اچھا سمجھنا، اور یہ بات ان سب میں زیادہ بُری ہے''۔

(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

معلمِ کائنات ہادیٔ عالم ﷺ نے نجات دینے والی تین باتوں میں تقوے کا خلاصہ بیان فرما دیا۔خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا خوف، خوشی اور غصے میں ہمیشہ حق بات کہنا اور ہر حالت میں میانہ روی اپنانا پرہیز گاری کے اہم اجزاء ہیں۔

اسی طرح ہلاک کرنے والی چیزوں میں سب سے پہلے نفسانی خواہش ہے جس کی حق کے مقابل پیروی کی جائے۔پھر وہ کنجوسی ہے جس کے تقاضوں پر چلا جائے۔اور پھر خود پسندی ہے اور اسے سب سے بُرا فرمایا۔سبب یہ ہے کہ خود پسند اپنے آپ کو عقلِ کُل سمجھتا ہے اس لیے نہ خود اپنی اصلاح کرتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے سے کوئی نصیحت یا اچھی بات قبول کرتا ہے۔یہی اس کی ہلاکت ہے۔

﴿157﴾

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔آپ نے فرمایا،

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا خواہ تم کو مار ڈالا جائے یا جلا دیا جائے،......اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگر چہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع چھوڑ کر نکل جاؤ،......اور کوئی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑنا کیونکہ جو جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محروم ہو جاتا ہے،...... اور ہرگز کبھی

شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں اور بدکاریوں کی جڑ ہے۔
......اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے، ......اور دشمن کے مقابلے میں پیٹھ مت دکھانا اگر چہ تمہارے تمام سپاہی ختم ہو جائیں، ......اور جب لوگوں پر کوئی وبا نازل ہو تو وہاں سے نہ بھاگنا، ......اور اپنے گھر والوں پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنا، ......اور اپنے گھر والوں کی تربیت میں مناسب سختی کرنا، ......اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے رہنا۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک میں آخری تین باتیں ایک مسلم گھرانے کے سربراہ کی ذمہ داریوں پر مبنی ہیں۔ اول: ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل وعیال پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے یعنی حیثیت سے زائد ہرگز خرچ نہ کرے۔

دوم: اپنے گھر والوں کی تربیت میں مناسب سختی کرے یعنی انہیں فرائض وواجبات اور سنتوں پر عمل کی ترغیب دے اور حرام کاموں سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے خواہ اس کے لیے مناسب سخت رویہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ آج ہر شخص کو یہ فکر ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کا کیا ہوگا لیکن یہ فکر نہیں کہ اولاد کے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا۔ رب تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

سوم: اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتا رہے۔ مفہوم یہ ہے کہ انہیں نیک کام کرنے اور گناہ کے کاموں سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈراتا رہے۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً خوفِ خدا کی باتیں اپنے گھر والوں کو سناتا رہے تاکہ وہ گناہ کے کاموں کی طرف مائل نہ ہوں۔

﴿158﴾

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے غزوۂ خیبر میں ایک مسلمان شخص کو دیکھا جو یہودیوں کو قتل کر رہا تھا۔ غیب بتانے والے آقا ومولیٰ

ﷺ نے فرمایا، ''جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے''۔ ہم میں سے ایک شخص اس کے پیچھے رہا تا کہ اس کا انجام دیکھے۔

وہ یہود سے لڑتا ہوا زخمی ہو گیا اور اس نے موت میں جلدی کی۔ اس نے اپنی تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور اپنے جسم کا پورا بوجھ اس پر ڈالا اور یوں خود کشی کر لی۔ حبیبِ کبریا سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا،

بندہ لوگوں کے سامنے جنتیوں کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخیوں میں سے ہوتا ہے۔ اسی طرح بندہ لوگوں کے سامنے دوزخیوں کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔ پس اعمال کا دارو مدار صرف خاتمہ پر ہے۔
(بخاری کتاب الرقاق)

انسان کا خاتمہ اگر ایمان پر ہو تو وہ جنتی ہے اور اگر خاتمہ کفر و گمراہی پر ہو تو وہ جہنمی ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے ایمان پر خاتمہ کی دعا مانگنی چاہیے۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے جس کی بناء پر نبی کریم ﷺ جنتی اور جہنمی کو پہچانتے ہیں۔

159

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محبوبِ کبریا ﷺ نے فرمایا،

''تم میں سے جو بُرائی ہوتی دیکھے تو اُسے چاہیے کہ اُسے ہاتھ سے روک دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔ (صحیح مسلم)

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے۔ جو برائیاں اس قسم کی ہیں کہ انہیں روکنا ہمارے اختیار میں ہے تو وہ ضرور ہمیں روکنی چاہییں۔ اگر انہیں روکنے کی قوت نہ ہو تو زبان کے ذریعے انہیں روکنے کی کوشش ہم پر لازم ہے۔

اگر حالات اس قدر خراب ہوں کہ ہم کسی کو سمجھانے سے بھی قاصر ہوں تو پھر کم از کم دل سے برائی کو برا سمجھنا ضروری ہے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

﴿160﴾

حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ضرور نیک کاموں کا حکم دیتے رہنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے، پھر تم اُس سے دعا مانگو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی''۔

(جامع ترمذی)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بستی والے گناہوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اسکے باشندوں سمیت الٹ کر تباہ کر دو۔ انہوں نے عرض کی، الٰہی! اس بستی میں تیرا ایک ایسا نیک بندہ بھی ہے جو کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی تیری یاد سے غافل نہیں ہوا، اور نہ ہی اس نے کبھی گناہ کیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا،

پہلے اسی پر عذاب نازل کرو پھر دوسروں کو عذاب میں مبتلا کرو کیونکہ اس کے سامنے لوگ میری نافرنیاں کرتے رہے لیکن میری خاطر لمحہ بھر کے لیے بھی اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ (مشکوٰۃ)

﴿161﴾

حضرت عدی بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا جب تک کہ ان کے ماحول میں گناہ رواج نہ پا جائیں اور وہ عام لوگ قدرت کے باوجود ان گناہوں کو نہ روکیں۔ جب ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب لوگوں کو

عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے''۔(مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر استطاعت کے مطابق نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس امت کے بعض لوگ قیامت میں بندر اور خنزیر کی شکل میں اٹھائے جائیں گے کیونکہ وہ نافرمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور قدرت کے باوجود انہیں گناہوں سے نہیں روکتے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ یہ روایت بیان کر کے فرماتے ہیں، جب نافرمانوں سے میل جول رکھنے والوں کو یہ سزا ملے گی جبکہ وہ خود نیک ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو شب و روز گناہ کرنے میں مصروف ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

﴿162﴾

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے،

''جو لوگوں کی ناراضگی کے باوجود اللہ کی رضا تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکالیف سے کفایت کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا مندی تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے''۔(ترمذی)

مفہوم یہ ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیک عمل کرے خواہ لوگ اس کی مخالفت کریں، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت اور مدد فرمائے گا۔

اور جو لوگوں کی رضا مندی کی خاطر رب تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دے جیسا کہ بعض لوگ دوسروں کے کہنے پر نماز پڑھنا اور داڑھی رکھنا چھوڑ دیتے ہیں، رب تعالیٰ انہیں لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور ان سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

﴿163﴾

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، اُس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے

کے لیے روزہ رکھا، اُس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ دیا، اُس نے شرک کیا"۔ (مسند احمد)

دکھاوا اور ریا کاری، شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کوئی نیک کام اس لیے کرے کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں یا اس کی تعریف کریں۔ ایسا شخص سخت گناہ گار اور عذاب کا مستحق ہے۔ اس حدیث پاک میں نماز، روزہ اور صدقہ کا ذکر بطور مثال کے ہے ورنہ بندہ جو نیکی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے لوگوں کو دکھانے کے لیے کرے، وہ ریا کاری ہے۔

164

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

"اے لوگو! پوشیدہ شرک سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! پوشیدہ شرک کیا ہے؟ فرمایا، انسان نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی نماز کو خوب کوشش کر کے عمدہ بناتا ہے کیونکہ لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ پس یہ پوشیدہ شرک ہے"۔

(صحیح ابن خزیمہ)

165

انہی سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

"مجھے تم پر شرکِ اصغر کا بہت خوف ہے۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا، ریا کاری۔ جس دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو (ریا کاروں سے) فرمائے گا، تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کے لیے دکھاوا کرتے تھے، پھر دیکھو کہ کیا ان کے پاس کوئی جزا ہے"۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا شرکِ اکبر ہے۔ ریا کاری کو اس لیے شرکِ اصغر اور شرکِ خفی فرمایا گیا کیونکہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک کرتا ہے

اگر چہ اسے معبود نہیں سمجھتا۔ سنن ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ میری امت چاند سورج یا بتوں کو نہیں پوجے گی لیکن یہ ریا کاری میں مبتلا ہو جائے گی۔

﴿166﴾

حضرت جُندُب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''جو شخص لوگوں کو سنانے اور شہرت کی خاطر کوئی نیکی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے مشہور کر دے گا، اور جو کوئی دکھاوے کے لیے کوئی نیکی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھا دے گا''۔ (بخاری، مسلم)

مفہوم یہ ہے کہ رب تعالیٰ ریا کار کو دنیا میں یہ سزا دے گا کہ اس کا ریا کار ہونا لوگوں پر ظاہر فرما دے گا اور اس شخص کو ریا کار مشہور کر دے گا۔ یہ اس کے لیے دنیا میں سزا ہے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی جزا نہیں بلکہ جہنم کی سزا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، سب انسان مردہ ہیں، زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں۔ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں، بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔ سب عمل والے گھاٹے میں ہیں، فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں۔ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں، کامیاب صرف وہ ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔

﴿167﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''جو لوگوں میں اپنی شہرت چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو (برائی کے ساتھ) مشہور کر دے گا اور اسے لوگوں کی نظروں میں حقیر و کمتر بنا دے گا''۔ (مشکوٰۃ)

مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جو لوگ خود کو نیک ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ان کا ریا کار ہونا لوگوں پر جلد ہی واضح ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتے ہیں۔ یہ ریا کاروں کی سزا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی

اعمال قبول فرماتا ہے جو خالص اُسی کے لیے کیے جائیں۔(ابوداؤد)

168

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

قیامت میں سب سے پہلے شہید کا فیصلہ ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتوں کا اقرار کرا کے فرمائے گا، تو نے میرے لیے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا، میں تیری راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگیا۔

رب تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے جہاد اس لیے کیا کہ تجھے بہادر کہا جائے، وہ کہہ لیا گیا۔ پھر حکم ہوگا تو اُسے منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر وہ جس نے علم سیکھا، سکھایا اور قرآن پڑھا، اُسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتوں کا اقرار کرانے کے بعد فرمائے گا، تو نے میرے لیے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا، میں نے علم سیکھا، سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔

رب تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے علم اس لیے سیکھا کہ تجھے عالم کہا جائے، اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے، وہ کہہ لیا گیا۔ پھر حکم ہوگا تو اُسے بھی منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر وہ لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے خوب مال و دولت عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتوں کا اقرار کرا کے فرمائے گا، تو نے میرے لیے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا، میں نے ان تمام جگہوں میں تیرے لیے مال خرچ کیا جہاں خرچ کرنا تجھے پسند ہے۔

رب تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے یہ اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے، وہ کہہ لیا گیا۔ پھر حکم ہوگا تو اُسے منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(مسلم)

راہِ خدا میں شہادت، عالم و قاری اور معلم ہونا، اور سخاوت بہت اعلیٰ نیکیاں ہیں اور یہ اعمال اخلاص کے ساتھ کیے جائیں تو بندے کو جنتی بنا دیتے ہیں۔ مگر جب یہی نیک

اعمال لوگوں کو دکھانے اور شہرت و ناموری کی خاطر کیے جائیں تو وبال بن کر بندے کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ اس حدیث پاک میں نیک لوگوں کے لیے نصیحت وعبرت کا پیغام ہے کہ وہ اپنے اعمال کی حفاظت کریں اور انہیں ریا سے بچائیں۔

محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات بیہوش ہو جاتے تھے۔ ایک بار یہ حدیث شریف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی گئی تو وہ زاروقطار رونے لگے۔

﴿169﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تم لوگ ''جُبُّ الْحُزْن'' (غم کی وادی) سے پناہ مانگا کرو۔ صحابہ نے عرض کی، ''جُبُّ الْحُزْن'' کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا،

''جہنم میں ایک ایسی خوفناک وادی ہے کہ جس سے خود جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے''۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں کون لوگ جائیں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گذار یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (ترمذی)

یعنی جو لوگ بظاہر بڑے دیندار عابد یا قاری اور عالم ہوں گے مگر دراصل وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے دین دار ہوں گے۔ ایسے ریاکار عبادت گذار اور قاری اس ''غم کی وادی'' میں ڈالے جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

﴿170﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، آپ اُس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور لوگ اُس نیکی کی وجہ سے اُس کی تعریف کرتے ہیں؟ دوسری روایت میں ہے کہ لوگ اس کی نیکی کی وجہ سے

اُس سے محبت کرتے ہیں۔ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا، یہ تو مومن کے لیے جلد ملنے والی بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث پاک سے واضح ہے کہ بندہ اگر اخلاص سے اچھے اعمال کرے اور لوگ ان نیک اعمال کی وجہ سے اُس سے محبت کریں یا اُس کی تعریف کریں تو یہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ البتہ بندے کو لوگوں کی تعریف وتنقید سے بے نیاز ہوکر صرف رب تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیک عمل کرنے چاہییں۔

171

اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،

یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، میرا خیال ہے کہ اگر وہ (نزع کے وقت) کلام کرسکتیں تو صدقہ کا کہتیں۔ اب اگر میں ان کے لیے صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ ارشاد فرمایا، ہاں! انہیں ثواب ضرور پہنچے گا۔
(صحیح بخاری کتاب الجنائز، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

172

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں اور وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور میں اُس وقت موجود نہ تھا۔ اگر میں اُن کی طرف سے کچھ صدقہ وخیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟

حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں، پہنچے گا۔ عرض کی، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا ''مِخرَاف'' نامی باغ ان کے لیے صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الوصایا)

غیب بتانے والے آقا ومولیٰ ﷺ کی اِن عالیشان احادیث سے واضح ہے کہ صدقہ

کرنے سے اُس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

《173》

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

''قبر میں میت کی حالت ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ بھائی یا دوست کی دعا پہنچنے کی منتظر رہتی ہے۔ پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے، یقیناً مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے''۔ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ، شعب الایمان)

اس فرمانِ رسول ﷺ سے واضح ہے کہ دعائے مغفرت ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت ہے اور اس دعا سے مُردوں کو نفع پہنچتا ہے۔

《174》

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ جب کسی میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور ارشاد فرماتے،

''اپنے اس مسلمان بھائی کے لیے مغفرت مانگو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوالات کیے جائیں گے''۔ (سنن ابوداؤد کتاب الجنائز)

《175》

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت اپنے بیٹوں سے فرمایا،

''جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی ڈال کر وہاں اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ تمہارے قرب سے مجھے اُنس ملے اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔
(صحیح مسلم کتاب الایمان)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت اس لیے فرمائی تھی کیونکہ مُردہ قبر کے پاس موجود لوگوں سے مانوس اور خوش ہوتا ہے اور ان کی تسبیح سے نفع پاتا ہے۔

176

رسولِ معظم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے،

''جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، جن کا ثواب اُسے ملتا رہتا ہے۔

اول: وہ صدقہ جس کا فائدہ جاری رہے، دوم: وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم: وہ نیک اولاد جو اُس کے لیے دعا کرتی رہے''۔

(صحیح مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

ان تینوں چیزوں کا ثواب انسان کو اس لیے ملتا رہتا ہے کہ وہ ان اعمال کا سبب بنا۔ صدقۂ جاریہ سے مراد مثلاً مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینا ہے جس میں لوگ نماز یا قرآن پڑھتے رہیں گے اور اس بنانے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

نافع علم سے مراد دین کا علم ہے۔ جب تک سیکھنے والے عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو اپنے اعمال کا ثواب ہوگا اور سکھانے والے کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔

نیک اولاد کی علامت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے والدین کیلیے دعا کرتی رہتی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی اولاد کی دینی تربیت نہ کی، نہ تو اسے قرآن مجید پڑھنا سکھایا اور نہ ہی نماز، روزے اور ایصالِ ثواب کی تعلیم و تربیت کی۔ اب اگر اس کا انتقال ہو جائے تو وہ کیونکر توقع کر سکتا ہے کہ اس کی اولاد نیکیاں کرے گی اور ایصالِ ثواب کرے گی۔ اپنی آخرت کے لیے اپنی اولاد کی دینی تربیت کیجیے۔

177

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

7

''خبردار رہو کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اُس سے اُس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام لوگوں پر نگراں ہے، اُس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اُس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر اور اس کی اولاد پر نگراں ہے اور اُس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اور اُس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا''۔ (بخاری، مسلم)

حدیث پاک سے واضح ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق ادا کرے، انہیں نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور اس سلسلے میں اپنی تمام صلاحیتوں اور اختیارات کو استعمال کرے۔ قیامت کے دن ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ اس نے مذکورہ دینی ذمہ داریاں کس حد تک ادا کی ہیں۔

178

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان شک وشبہ والی چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو اِن شبہ والی چیزوں سے بچے گا وہ اپنا دین اور عزت بچا لے گا اور جو اِن چیزوں کو اختیار کرے گا وہ اُس چرواہے کی مانند ہے جو اپنا ریوڑ شاہی چراگاہ کے قریب چراتا ہے۔ خدشہ ہے کہ اس کے جانور شاہی چراگاہ میں نہ گھس جائیں۔

(اے لوگو!) ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی بھی چراگاہ ہے جو کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ صحیح ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان

لو!وہ دل ہے''۔(صحیح بخاری)

ایک اور حدیث کے مطابق قربِ قیامت کے زمانے میں لوگ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کریں گے۔پس مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ حلال وحرام کی فکر رکھے۔

استاذی ومرشدی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ فرماتے ہیں، دل یا قلب بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفۂ روحانی ہے، یہی روح کی حقیقت ہے اور یہی نفس کی باطنی کیفیت بھی ہے البتہ اسے جسمانی قلب سے ایک تعلق ضرور ہے جسے عالمِ ما کانَ ومَا یکون سیدِ عالم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں بیان فرمایا ہے۔(تصوف وطریقت:۱۷)

179

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آقا ومولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔اُس پر سفر کے آثار بھی ظاہر نہ تھے اور ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا بھی نہ تھا۔

وہ آقا کریم ﷺ کے زانوؤں سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھ کر عرض گذار ہوا، یارسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر استطاعت ہو۔اس نے عرض کی، آپ نے سچ فرمایا۔ہمیں اس سے تعجب ہوا کہ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔

پھر اس نے پوچھا، ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔ اس نے عرض کی، آپ نے سچ فرمایا۔

پھر اس نے پوچھا، احسان کیا ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ ضرور یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس نے عرض کی، قیامت کی خبر دیجیے۔ آپ نے فرمایا، جس سے پوچھا گیا وہ اس کے متعلق سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

پھر اس نے عرض کی، قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجیے؟ آپ نے فرمایا، لونڈی اپنے مالک کو جنے گی، ننگے پاؤں اور ننگے بدن والے غریبوں اور بکریاں چرانے والوں کو عالیشان عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر کرتے دیکھو گے۔

پھر سائل چلا گیا۔ میں کچھ دیر ٹھہرا۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، اے عمر! کیا تجھے معلوم ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی، اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، وہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(صحیح مسلم، جامع ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اس حدیث شریف کے خاص نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

ایمان اور اسلام کے علاوہ دین کا تیسرا اہم شعبہ ''احسان'' ہے جو تصوف و طریقت ہی کا ایک نام ہے۔ واضح رہے کہ ''احسان'' کا تعلق صرف نماز سے نہیں بلکہ ساری زندگی سے ہے۔ گویا رب تعالیٰ سے ایسا روحانی تعلق قائم ہو جائے کہ بندہ ہر لمحہ اس کی اطاعت میں اس طرح گزارے کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت احسان ہے۔

حضرت جبریل کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو قیامت کا علم ہے اسی لیے تو سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، مجھے سائل سے زیادہ علم نہیں، یعنی آپ نے علم کی نفی نہیں فرمائی بلکہ علم کی زیادتی کی نفی فرمائی۔ بعض مواقع پر حضور نے قیامت کا دن، مہینہ اور تاریخ بھی بتائی ہے۔ مثلاً قیامت جمعہ کو آئے گی، محرم کی دسویں تاریخ ہو گی۔ حضور ﷺ نے مکمل خبر نہیں دی تاکہ فرمانِ الٰہی پورا ہو کہ ''قیامت اچانک آئے گی''۔

لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔اس کا مطلب ہے کہ اولاد نافرمان ہوگی اور اپنی ماں سے ایسا سلوک کرے گی جیسے لونڈی سے کیا جاتا ہے۔

دوسری نشانی یہ بیان ہوئی کہ فقیر اور چرواہے محلات میں فخر کریں گے یعنی ذلیل اور مفلس لوگ،عزت والے اور مالدار بن جائیں گے۔

متعدد احادیث گواہ ہیں کہ صحابہ کرام یہ کہا کرتے تھے،﴿اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ﴾ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا ذکر ملا کر کرنا شرک نہیں بلکہ صحابہ کی سنت ہے۔

﴿180﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا، جہالت بڑھ جائے گی، بدکاری پھیل جائے گی،شراب بہت پی جائے گی،مرد کم ہوجائیں گے اور عورتیں بہت بڑھ جائیں گی یہاںتک کہ پچاس عورتوں کا نگراں ایک مرد ہوگا۔(بخاری،مسلم)

علم اُٹھانے سے مراد ہے علم سے غافل ہوجانا۔آج آپ دیکھ لیجیے کہ لوگ دنیاوی علوم شوق سے سیکھتے ہیں مگر دین کے علم کی اکثر لوگوں کو پرواہ نہیں۔مسلمان بہت ہیں مگر طہارت اور نماز کے مسائل تک نہیں جانتے۔علماء اُٹھتے جارہے ہیں۔لوگ اپنے ذہین بچوں کو دینی مدارس کی بجائے انگلش اسکولوں میں پڑھانا چاہتے ہیں۔

میڈیا نہ صرف اغیار کے اشارے پر منفی پراپیگنڈے کے ذریعے لوگوں کو مدارس سے بدظن کرنے میں مصروف ہے بلکہ فحش فلموں،بیہودہ ڈراموں اور ناچ گانے کے ذریعے بدکاری پھیلانے کا ''کافرانہ فریضہ'' بھی انجام دے رہاہے۔

﴿181﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''جب غنیمت کو ذاتی دولت اور امانت کو غنیمت بنالیا جائے، اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے، جب دنیا داری کے لیے علم حاصل کیا جائے، اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور والدہ کی نافرمانی کرے، اور اپنے دوست کو قریب اور والد کو دور کرے،

جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں، جب قبیلے کا بدکار قوم کا سردار ہو جائے، اور جب قوم کا کمینہ اُن کا معزز ہو جائے، جب برے آدمی کی تعظیم اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے، جب بدکار عورتیں اور گانے بجانے کے آلات ظاہر ہوں، اور شرابیں پی جائیں، اور بعد میں آنے والے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں،

اُس وقت تم سرخ آندھیوں، زلزلوں، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے، پتھر برسنے اور اُن نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار آئیں گی جیسے کسی ہار کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو اس کے دانے مسلسل گر رہے ہوں''۔ (جامع ترمذی)

﴿182﴾

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے''۔ (بخاری، مسلم)

﴿183﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی، ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار یعنی مال و متاع نہ ہو۔ آپ نے فرمایا،

''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن حال یہ ہوگا کہ اُس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور اُس کو مارا ہوگا۔ پس اُس کی نیکیوں میں

سے ان مظالم کے برابر انہیں دے دی جائیں گی۔ اگر لوگوں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر ان لوگوں کے گناہ لے کر اُس پر ڈال دیے جائیں گے۔ پھر اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔ (صحیح مسلم)

184

انہی سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو، اس کی بے عزتی کر کے یا کسی اور طرح، اُسے چاہیے کہ اُس دن سے پہلے اُس سے معاف کرا لے جس دن اس کے پاس نہ دینار ہوگا نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوئے تو اُس ظلم کے برابر لے لیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیک اعمال نہ ہوئے تو مظلوم کے گناہ اُس پر ڈال دیے جائیں گے۔ (بخاری)

جس کے ساتھ کوئی زیادتی یا غیبت کی ہو یا اس کا مال ناحق لیا ہو تو اس سے دنیا ہی میں معافی مانگنی چاہیے اور جو مال لیا ہو وہ لوٹا دینا چاہیے۔

185

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن مرتبے کے لحاظ سے سب لوگوں سے بدتر وہ بندہ ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کر لی''۔ (ابن ماجہ)

یعنی دوسروں کی دنیا کی خاطر ناجائز اور حرام کام کیے اور اپنی عاقبت برباد کر لی۔

186

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بُری موت کو دور کرتا ہے''۔

(جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا صدقہ ہے اور اس کے کثیر فائدے ہیں۔

187

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،

''کوئی مرنے والا ایسا نہیں جو نادم نہ ہو''۔ صحابہ نے عرض کی ، یارسول اللہ ﷺ! انہیں کس بات پر ندامت ہوتی ہے؟۔ فرمایا، اگر وہ نیک ہے تو اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں۔ اور اگر برا ہے تو اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ میں نے برائیاں کیوں کیں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الفتن)

حدیث پاک کا مفہوم واضح ہے کہ بندہ جب آخرت کے معاملات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا تو پھر نیک ہو یا برا، اُسے اپنے حال پر ندامت ہوگی۔ نیک کو نیکیاں زیادہ نہ کرنے کی وجہ سے اور برے کو گناہ کرنے کے سبب۔

188

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا، آگ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ یوں گھومے گا جیسے چکی کے گرد گدھا پھرتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس آ کر کہیں گے، اے فلاں! تم یہاں کیسے؟ تم تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے۔ وہ کہے گا، میں تمہیں تو نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا اور تمہیں تو برائی سے روکتا تھا مگر خود نہیں رُکتا تھا''۔ (بخاری، مسلم)

اُس جہنمی کو یہ عذاب عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی عمل نہ کرسکنے کی وجہ سے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دے گا تو وہ دو واجب ترک کرنے کی وجہ سے اور زیادہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا ہمیں اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی کرتے رہنا چاہیے۔

189

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جو لوگ کسی مجلس میں اکٹھے ہوئے اور اس مجلس میں انہوں نے نہ تو اللہ کا ذکر کیا اور نہ ہی اپنے نبی پر درود پڑھا، تو یہ مجلس ان کے لیے خسارہ کا سبب ہو گی۔ اگر اللہ چاہے گا تو ان کی مغفرت فرمائے گا، اور اگر چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب ذکر اللہ)

مومن کی ہر مجلس میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ کا ذکر ہونا خیر و برکت کا باعث ہے۔ درود شریف کا علیحدہ سے ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ درود شریف بھی رحمت و برکت اور مغفرت کا ذریعہ ہے۔

190

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا،

''جب کچھ لوگ ذکرِ الٰہی کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے اُن کو گھیر لیتے ہیں، اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور سکون و اطمینان کی دولت اُن کے لیے نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اُن فرشتوں میں فرماتا ہے جو اُس کے قریب ہوتے ہیں''۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب ذکر اللہ)

ذکر تین طرح ہوتا ہے۔ زبان سے، دل سے اور دیگر اعضاء سے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا اپنا مقام ہے اور جماعت میں ذکر الٰہی کی اپنی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح ہو یا اس کے حبیب ﷺ اور دیگر محبوب بندوں کا ذکر، سب اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔ قرآن کریم کو دیکھیے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر بھی ہے اور رسول معظم ﷺ کی عظمت کا بیان بھی، انبیاء و صحابہ کرام کا تذکرہ بھی ہے اور صالحین کی شان کا چرچا بھی۔ یہ کہنے

میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا محبت سے چرچا کرنا اور اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرنا بھی ذکرِ الٰہی میں داخل ہیں۔

﴿191﴾

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھ کر فرمایا، تم لوگ یہاں کس لیے جمع ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم یہاں ذکرِ الٰہی کے لیے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! کیا تم اسی مقصد کے لیے بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا، بیشک ہم اسی کام کے لیے بیٹھے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے بدگمانی کی وجہ سے تمہیں قسم نہیں دی۔ میں نے تم لوگوں کے مقابلے میں بہت کم احادیث روایت کی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک دن صحابہ کرام مسجد میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں مشغول تھے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور فرمایا،

﴿مَا اَجۡلَسَکُمۡ﴾ تم لوگ کس لیے جمع ہوئے ہو؟ صحابہ نے عرض کی،

﴿جَلَسۡنَا نَذۡکُرُ اللّٰهَ وَنَحۡمَدُهٗ عَلٰی مَا هَدَانَا لِلۡاِسۡلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَیۡنَا﴾

ہم اللہ کے ذکر اور اس کے شکر کے لیے جمع ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور اس کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا۔ طبرانی اور بیہقی میں یہ الفاظ ہیں،

﴿جَلَسۡنَا نَدۡعُ اللّٰهَ وَنَحۡمَدُهٗ عَلٰی مَا هَدَانَا لِدِیۡنِنَا وَمَنَّ عَلَیۡنَا بِکَ﴾

''ہم اس لیے جمع ہوئے کہ اللہ کو پکاریں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اس دین کی ہدایت عطا کی اور آپ کو بھیج کر ہم پر بڑا احسان فرمایا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم اسی لیے جمع ہوئے ہو؟ صحابہ نے عرض کی، اللہ کی قسم! ہم اسی مقصد کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا،

﴿اِنِّیۡ لَمۡ اَسۡتَحۡلِفۡکُمۡ تُهۡمَةً لَّکُمۡ وَلٰکِنَّهٗ اَتَانِیۡ جِبۡرِیۡلُ فَاَخۡبَرَنِیۡ اَنَّ اللّٰهَ

يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ۞

''میں نے تمہیں تہمت لگانے کے لیے قسم نہیں دی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابھی جبریل نے میرے پاس آ کر یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس محفل کی وجہ سے تم لوگوں پر ملائکہ کے مجمع میں فخر فرما رہا ہے''۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے حوالے سے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ایسا مبارک کام ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ملائکہ کے مجمع میں فخر فرماتا ہے۔ محافلِ میلاد کا انعقاد بھی اس شکرانے ہی کی ایک صورت ہے۔ صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے فضائل بیان کرنا اور نعتیں پڑھنا متعدد احادیث میں موجود ہے۔

192

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''ہر چیز کی صفائی کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کے عذاب سے مکمل نجات دلا دے''۔ صحابہ نے عرض کی، کیا جہاد بھی اس کے برابر نہیں؟

رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا، ہاں جہاد بھی، حتیٰ کہ لڑتے ہوئے تمہاری تلوار بھی ٹوٹ جائے۔ (بیہقی فی دعوات الکبیر، مشکوٰۃ)

ذکرِ الٰہی کی فضیلت متعدد احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو زندہ اور ذکر نہ کرنے والے کو مردہ سے تشبیہ دی گئی۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ سمجھیں۔

193

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، میرے آقا! میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں۔ آپ یہ فرمائیں کہ میں آپ پر

کتنا وقت درود پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا، جتنا تم چاہو۔

میں نے عرض کی، چوتھائی وقت؟ فرمایا، جتنا چاہو، اگر اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی، آدھا وقت؟ فرمایا، جتنا چاہو، اگر اس سے زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی، تہائی وقت؟ فرمایا، جتنا چاہو، اگر اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔

میں نے عرض کی، اب میں عبادت کے تمام وقت میں آپ پر درود پڑھوں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، یہ تمہارے غموں کو دور کرے گا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی)

مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ (روح المعانی)

﴿194﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص دن میں سو مرتبہ ﴿سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ﴾ پڑھے، اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔

(بخاری، مسلم)

﴿195﴾

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ محتشم ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص ہر روز صبح و شام تین تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے گا، ﴿بِسمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لاَ یَضُرُّ مَعَ اسمِہٖ شَیْءٌ فِی الاَرضِ وَلاَ فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیعُ العَلِیمُ﴾

''اللہ کے نام سے (میں نے صبح و شام کی) کہ جس کے نام کی برکت سے زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے''۔ یہ کلمات پڑھنے والے کو کوئی تکلیف یا نقصان نہ ہوگا''۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جو یہ دعا صبح کو پڑھے گا، اسے شام تک کوئی مصیبت نہ آئے گی اور جو شام کو پڑھے گا، وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔

﴿196﴾

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ میرے حجرہ سے نماز فجر کے لیے تشریف لے گئے تو میں اُس وقت مصلے پر تھی۔ جب آپ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو مجھے مصلے پر دیکھ کر فرمایا، کیا تم اُس وقت سے مصلے پر ہی ہو؟ میں نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ نے فرمایا،

میں نے چار کلمات پڑھے ہیں جو ایسے ہیں کہ ان کا موازنہ اگر تمہارے سارے دن کی عبادت سے کیا جائے تو وہ کلمات وزن میں بھاری ہونگے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

﴿سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ عَدَدَ خَلۡقِهٖ وَرِضٰی نَفۡسِهٖ وَزِنَةَ عَرۡشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ﴾ (صحیح مسلم)

﴿197﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے،

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡهَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَالۡعَجۡزِ وَالۡكَسَلِ وَالۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَضَلۡعِ الدَّیۡنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ﴾

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں رنج و غم سے، بے بسی اور سستی سے، بزدلی اور کنجوسی سے، قرض اور لوگوں کے غلبہ سے''۔ (بخاری، مسلم)

اس حدیث میں جسمانی اور روحانی پریشانیوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿198﴾

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے،

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡعَجۡزِ وَالۡكَسَلِ وَالۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَالۡهَرِمِ

وَ عَذَابِ الْقَبْرِ. اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا.﴾ (مسلم)

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بے بسی اور سستی سے، بزدلی اور کنجوسی سے، بڑھاپے سے اور عذابِ قبر سے۔

الٰہی! میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اس کو پاک و صاف کر دے، تو ہی اسے سب سے بہتر پاکیزگی دینے والا ہے اور اس کا ولی اور مددگار ہے۔

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو فائدہ نہ دے، اور ایسے دل سے جس میں تیرا خوف نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو سَیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو''۔

''بے بسی'' سے مراد ہے عاجز ہو جانا۔ سستی کا مطلب ہے عبادات کا طبیعت پر دشوار ہو جانا۔ بڑھاپے سے مراد اتنی عمر ہے کہ جب دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی قوتیں جواب دے جائیں اور بندہ دوسروں پر بوجھ بن جائے۔

ان تینوں حالتوں کے علاوہ بزدلی اور کنجوسی سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ بزدل شخص کلمۂ حق کہنے سے اور جہاد کے جذبے سے محروم رہتا ہے، اور یہ بڑا عیب ہے۔ کنجوس آدمی راہِ خدا میں مال خرچ نہیں کرتا، لہٰذا ان عیبوں سے پناہ مانگنی چاہیے۔

قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، اس کے عذاب سے بھی پناہ مانگنی چاہیے اور دنیا میں عذابِ قبر والے اعمال سے بھی۔ پھر نفس کا تقویٰ اور تزکیہ مانگنے کی دعا سکھائی گئی۔

وہ دنیاوی علوم جن سے دین کی خدمت نہ لی جائے، یا وہ دینی علم جسے دنیا کمانے کے لیے پڑھا جائے یا جس پر عمل نہ کیا جائے، اس سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔

وہ دل جس میں خوفِ خدا نہ ہو اور وہ نفس جس میں قناعت و آسودگی نہ ہو، ایسے غافل پتھر دل سے اور ایسے لالچی ناشکرے نفس سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔

﴿199﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم ﷺ یوں دعا فرماتے تھے،

﴿اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ﴾

''اے اللہ! میرے دین کو درست فرما جو میرے ہر کام کا محافظ ہے، اور میری دنیا کو میرے لیے بہتر کر دے جس میں میری روزی ہے، اور میری آخرت کو میرے لیے اچھی کر دے جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

(الٰہی!) میری زندگی کو میرے لیے ہر بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ بنا دے اور میری موت کو میرے لیے ہر تکلیف و برائی سے راحت بنا دے''۔ (مسلم)

﴿200﴾

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

''اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے، ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.﴾

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت، اور اُن کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، اور اُس عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی محبت کو میرے لیے میری جان، میری اولاد اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے''۔ (جامع ترمذی ابواب الدعوات)

دوسری روایت میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات کہا کرتے تھے،

﴿اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ. اَللّٰھُمَّ مَا

رَزَقْتَنِیْ مِمَّا فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِیْ فِیْمَا تُحِبُّ. اَللّٰهُمَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اَحَبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِیْ فِیْمَا تُحِبُّ﴾

''اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما، اور ہر اُس شخص کی محبت عطا فرما جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے۔ الٰہی! مجھے جو پسندیدہ چیز عطا فرما، اُسے اپنی محبت میں میری طاقت اور قوت بنا، اور جو پسندیدہ چیز مجھ سے روک دے، تو مجھے اپنی پسندیدہ چیزوں میں مصروف رکھ کر اس سے بے رغبت بنا دے''۔ (ایضاً)

ایک نصیحت آموز حکایت:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک نمازِ جنازہ میں شریک ہوا۔ ایک چھوٹی لڑکی اس جنازہ کے ساتھ روتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس لڑکی نے کہا، بابا جان! میری زندگی میں آج کے دن کی طرح کوئی دن نہ آئے گا۔ میں نے کہا، اے بیٹی! تیرے باپ کے لیے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہ آئے گا۔ ہم دفن کے بعد واپس ہو گئے۔ اگلے دن صبح میں نے اسی لڑکی کو قبرستان جاتے دیکھا تو میں اس کے پیچھے چلا کہ یہ لڑکی دانا ہے، دیکھیں وہاں جا کر کیا کہتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ آپ اُس کی نظروں سے اوجھل رہنے کے لیے ایک درخت کی اوٹ میں رہے۔ وہ لڑکی اپنے والد کی قبر سے لپٹ گئی اور کہنے لگی، بابا جان! کل رات تو میں نے آپ کے لیے چراغ جلایا تھا، آج رات آپکے لیے کس نے چراغ جلایا ہو گا؟ بابا جان! کل رات تو میں نے آپ کے لیے بستر بچھایا تھا، آج رات آپکے لیے کس نے بستر بچھایا ہوگا؟ بابا جان! کل رات میں نے آپکے ہاتھ پاؤں دبائے تھے، آج رات آپکے ہاتھ پاؤں کس نے دبائے ہونگے؟

بابا جان! کل رات میں نے آپ کو پانی پلایا تھا، آج رات کس نے پانی پلایا ہوگا؟ بابا جان! کل تک تو آپ کو میں کھانا دیا کرتی تھی، آج آپ کو کھانا کس نے دیا ہوگا؟

حضرت حسن بصری یہ سن کر رونے لگے اور اس لڑکی کے پاس جا کر فرمایا،

اے بیٹی! یہ نہ پوچھو بلکہ یہ کہو، اے بابا جان! ہم نے قبر میں آپ کا منہ قبلے کی طرف کیا تھا، کیا آپ اسی حال میں ہو یا آپ کا منہ قبلے سے پھیر دیا گیا ہے؟

بابا جان! ہم نے آپ کو قبر میں صحیح سالم بدن کے ساتھ لٹایا تھا، کیا آپ اسی حال میں ہو یا کیڑے آپ کا بدن کھا رہے ہیں؟ بابا جان! نکیرین نے آپ سے تین سوال پوچھے تھے، آپ نے ان سوالوں کے صحیح جواب دیے یا نہیں؟

بابا جان! علماء فرماتے ہیں کہ مُردوں پر قبر کشادہ ہو جاتی ہے یا پھر تنگ۔ آپ پر قبر کشادہ ہوئی ہے یا تنگ؟ بابا جان! علماء فرماتے ہیں کہ میت کے کفن کو جنت کے کفن سے بدل دیا جاتا ہے یا آگ کے کفن سے۔ آپ کا کفن جنت کے کفن سے بدلا گیا ہے یا آگ کے کفن سے؟

بابا جان! علماء فرماتے ہیں کہ قبر کسی کو ایسے دباتی ہے جیسے ماں محبت سے گلے لگاتی ہے اور کسی کو وہ غضب سے دباتی ہے یہاںتک کہ اسکی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ آپ کو قبر ماں کی طرح محبت سے گلے ملی ہے یا غیظ و غضب سے؟

بابا جان! میت شرمندہ ہوتی ہے، اگر متقی ہے تو اس پر کہ نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ اور اگر گنہگار ہے تو اس پر کہ گناہ کیوں کیے۔ اے بابا جان! آپ گناہوں پر شرمندہ ہوئے ہو یا نیکیوں کی کمی پر؟ اے اللہ! ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا اور مجھے قیامت کے دن ان کی ملاقات نصیب فرما۔

یہ سن کر اس لڑکی نے کہا، اللہ آپ کو جزا دے، آپ نے بہت اچھی نصیحت کی ہے اور مجھے غفلت کی نیند سے بیدار کیا ہے۔ (المواعظ العصفوریہ، ملخصاً)

رب کریم ہمیں اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرنے کی توفیق دے اور آخرت کی فکر عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ النبیِ الکریم علیہ وعلیٰ آلہٖ افضلُ الصلوٰۃِ والتسلیم۔